جلد ۱۱۲ جنوری ۱۹۹۰ء عدد ۵

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسّس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

فہرست مضامین

جلد ۱۱۲ | جنوری ۱۹۹۰ء مطابق جمادی الاخری ۱۴۱۰ھ | عدد ۵

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵ - اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

رابطہ کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن، رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر ——— ۳۲۴۴۶۸

زرِ سالانہ تیس روپے - فی پرچہ ۳/- روپے

حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اِک سال گیا، اِک سال آیا۔

پچھلا سال جاتے جاتے اپنے ساز سے دردبھرے نغمے سُنا رہا ہے اور اس کے تاروں سے لہو رس رہا ہے۔ مجاہدینِ افغانستان کی دہ سالہ جنگ رُوسی جارحیت کے کولہو میں پیلے ہوئے ہزارہا بے گناہ اور مظلوم افراد — برما اور یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کے مظلومانہ احوال کے ساتھ بھارت میں چند میل کے فاصلے پر مسجد بابری کے انہدام اور رام جنم بھومی مندر کی تعمیر کے لیے متعصب ہندوؤں کا اُٹھایا ہوا طُوفانِ مُسلم کُشی، جس میں سینکڑوں جانیں، بے حساب اموال، کتنے ہی گھر اور کتنی ہی دکانیں تباہ ہو چکی ہیں اور ابھی مزید سیلاب اُٹھانے کی تیاریاں ہیں۔

آج (۱۹ دسمبر) کی تازہ ترین خبر یہ ہے کہ بہار کے ایک گاؤں کے تمام مسلمان مردوں کو گولی مار دی گئی اور پھر عورتوں کو بھی شیطنت کا نشانہ بنانے کے بعد ختم کر دیا گیا۔[1]

ایران اور عراق جنگ بندی کے بعد اب ایک طرف اپنے شہریوں اور ان کی املاک کے زخموں کو دیکھ رہے ہیں اور دوسری طرف معیشت کی جراحتوں کا اندازہ لگا رہے ہیں۔

---

[1] انہی ستم رسیدہ عورتوں میں سے زندہ بچ نکلنے والی ایک خاتون ملکہ بیگم نے پٹنہ ہائی کورٹ میں درخواست دی ہے کہ چندولی کی پولیس نے اس کے گاؤں کی تمام مُسلم آبادی کو ختم کر دیا ہے، چنانچہ ملکہ بیگم کو عدالتی حکم سے ہسپتال میں داخل کرا کے سی آئی ڈی کو اس دردناک وقوعہ کی تحقیقات عدالت میں پیش کرنے کے لیے مامور کیا گیا ہے۔

اسرائیلی خنامیوں کے ہاتھوں ان معصوم ابابیلوں کی تباہی ہو رہی ہے جن کو آخری چارۂ کار کے طور پہ تحریکِ انتفاضہ نے کھڑا کیا ہے اور جو ٹینکوں کا مقابلہ کنکریوں سے کر رہے ہیں۔

امریکہ، روس، بھارت، اسرائیل اور کابل کی نجیب گورنمنٹ اس متحدہ مقصد پر جمع ہیں کہ اسلام پر فنڈامنٹلزم کا لیبل لگا کر اپنے تہذیبی سانچے میں ڈھالے ہوئے مسلمان حکمرانوں اور مالی اکابر کو اس کے خلاف جنگ آزما کر دیں اور صحیح نظریۂ اسلامی کو سر نہ اٹھانے دیں۔

"شیطانی نکات" جیسی مسلم آزار کتاب مغرب میں چھپتی ہے اور مغرب شرافت کے اصولوں کے بجائے مسلمانوں کی اذیت رسانی کے لیے سلمان رشدی کا ساتھ دیتا ہے۔ بلکہ پورا مغرب اس پر ایسا متحد ہو جاتا ہے جیسا کم ہی کسی امر پر ہو۔ دراصل ادھر سے یہ بھی ایک صلیبی جنگ ہے۔ برطانیہ میں عیسائیت کی توہین جرم ہے، مگر ایسی ہی توہین اسلام یا کسی اور مذہب کے خلاف ہو تو جرم نہیں۔ یہ ہے عقلی اور جمہوری دور کا اوجِ کمال۔

عام انسانیت اپنی اکثریت کے لحاظ سے غربت میں پس رہی ہے۔ بے روزگاری کو فروغ حاصل ہے۔ کتنے ہی علاقے خوراک کی کمی کا شکار ہیں۔ ہزاروں آدم زادوں کو پینے کا صاف پانی دستیاب نہیں، نت نئی خوفناک بیماریاں بڑھ رہی ہیں، ان کے دوا و علاج کا خرچہ عام آدمی کی دسترس سے باہر ہے۔ کتنی ہی مخلوق (ایشیا اور افریقہ میں) کیمپوں میں بے گھر، بے در پڑی ہے۔ عدالتی انصاف کا اول تو حصول مہنگا اور ملے تو اس کا معیار بھی گرا ہوا۔

اخلاقی پہلو سے دیکھیں تو سیاست، معیشت اور بین الانسانی تعلقات سب کے لیے مشینی نقطۂ نظر کام کرتا ہے۔ فرد سے لے کر سماجی اداروں اور ریاست و حکومت تک کہیں اب اخلاقی قدروں کی بالادستی نہیں رہی۔ ایمان اور ضمیر کو کوئی وزن حاصل نہیں۔ ہر شخص کے ذہن میں خوف کے کئی کئی بھوت منڈلا رہے ہیں۔ مجرموں کا خوف،

اکثریت کا خوف، (اور کہیں کہیں شرپسند اقلیتوں کا خوف) جدید ہلاکت انگیز اسلحہ کا خوف، ماحول کی آلودگی کا خوف، بعض ہولناک اور ناقابلِ علاج بیماریوں کا خوف، قوموں اور ملکوں اور نسلوں کی تقسیموں کے علاوہ انسانی ایجاد کردہ فلسفوں اور نظریوں کی تقسیمیں اور ان تقسیموں کا خوف، گاڑی یا جہاز یا بازار میں لیکایک بم پھٹ جانے کا خوف، جہازوں کے اغوا کا خوف، آدمیوں کے اپنے اغوا کا خوف، لٹیروں اور عزت کے ڈاکوؤں کا خوف، ہیروئن اور ہیروئن کے تاجروں اور شکاریوں کا خوف، معاشی خوف، بات بے بات چاقو اور گولی کا خوف، پروپیگنڈے بازوں کے حملے کا خوف، جنسی جنون سے ماحول کو آلودہ کرنے والوں کا خوف، نفسیاتی خلل کے مریضوں کا خوف ــــ غور کیجیے کہ علم، جمہوریت، عقل، سائنس اور ٹیکنالوجی کی دنیا نے انسانوں کے دلوں اور ان کے ضمیروں اور کرداروں کو نظر انداز کر کے یک طرفہ بھینگی ترقی کے نتیجے میں انسان کو کہاں لا کھڑا کیا ہے؟

متذکرہ احوال نے عین پاکستان کے اندر ہم کو گھیر رکھا ہے۔ تخریب کاری عام ہے، باہر سے تربیت پا کر آنے والے تباہ کار کھلم کھلا کام کر رہے ہیں۔ بات بات پر ہر روز قتل کی خبریں اور وہ بھی انتہائی پیمانہ، بنکوں اور بسوں اور گاڑیوں پر ڈاکے، بڑوں اور بچوں کو اغوا کر کے بھاری فیسوں کے بدلے میں رہائی دینے کے واقعات، علاقائیت، نسلیت، فرقہ واریت اور لسانیت کے فتنوں کا اُبلتا ہوا لاوا۔ کھلم کھلا بیرونی افراد اور لٹریچر اور اسلحہ کا داخلہ، قدم قدم پر خیانت کے کھیل، دفتر بہ دفتر رشوت کا کاروبار (مگر کھلے بندوں)، ٹیکسوں کا انتہائی شدید بوجھ، بیرونی قرضوں کا بوجھ، افراطِ زر کا بڑھنا، اور خارجہ تجارت میں خسارہ، بیروزگاری کا پھیلاؤ، حکمران طبقہ کی شاہ خرچیاں، خزانے کی سکت سے زیادہ وزرا و مشیروں اور سیکرٹریوں کی رجمنٹوں کا مالی بار۔

یہ اسلامی نظام کا پیمان باندھ کر اس سے فرار کی سزا ہے جو کبھی آمریت کی شکل میں ملتی ہے، کبھی مارشل لا کی شکل میں، کبھی جمہوری فسطائیت کی شکل میں، اور کبھی ایک خاندان کے گرد گھومنے والی حکومت کی شکل میں۔ اِس سزا سے بچنے کا واحد راستہ

ہے رجوع الی الاسلام۔

اب آیئے، ایک بہت ہی بڑے واقعے کی طرف جو ۱۹۸۹ء میں اچھی طرح سامنے آگیا مگر اب ۱۹۹۰ء میں اس کی تکمیل ہو گی۔

دس سال پہلے افغانی کہساروں سے مظلومانہ خون کی ایک دھارا اُبلی تھی، پھر دوسری، پھر تیسری، حتیٰ کہ ساری فضا خون آلود ہو گئی۔

ایک تمدن نا آشنا قوم کے قلیل التعداد جانبازوں کے اس انسانی خون کی سُرخی کو مدتوں تک دُنیا نے جانا ہی نہیں، بلکہ کچھ یوں تصور کیا کہ ایک پس ماندہ قبیلوی آبادی کا نسلی جذبۂ غیرت اپنا اندھا اُبال دکھا رہا ہے، اور افغان مجاہدین کا خون پانی سے زیادہ قابلِ وقعت نہیں ہے۔

مگر اس خون کا ہر قطرہ اُس طرح کے ایک انشقاق (F I S S I O N) کا موجب ہوا۔ جیسے ایٹمی ذرات کے ٹوٹنے سے ہوتا ہے۔ اور پھر قطرۂ خون کوئی ایک نہ تھا۔ خون کے فوارے اچھل رہے تھے۔ لاکھوں قطرے جب پھٹے تو کسی ایٹمی بم سے بڑا دھماکا ہوا۔

چند سال پہلے کی نظم کا ایک بند یہاں پیش کرنا مناسب ہے۔ یہ نظم میں نے شیخ حسن البنا کی شہادت پر لکھی تھی۔ ؎

اِس خُون میں حل ایمان بھی ہے — یہ خون بقا سامان بھی ہے
ہر بُوند میں اک طوفان بھی ہے
طوفان میں ہو گا، کون فنا؟ — یہ کون تھا؟ کس کا خون بہا

افغانی خون کے دھماکے سے رُوس کے نظام کی بنیادیں ہل گئیں، اشتراکی فلسفے اور مارکسی نظریے کے بخیے اُدھڑ گئے، طبقاتی تصورِ معاشرہ پر قائم یک جماعتی فسطائیت کا قصر بیوندِ زمین ہو گیا۔ روسی فوج کی افغانستان میں آکر قلعی کھل گئی کہ اُن کے آلات کتنے ہی شاندار ہوں، وہ اوّل درجے کے جانباز نہیں ہیں، بلکہ غیر متمدن اور غیر منظم پٹھان

سپاہیوں سے کمتر ہیں۔

روس میں جگہ جگہ بڑے پیمانے کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ لوگ اپنے اپنے علاقوں کی آزادی چاہتے ہیں اور جہاں سے ان کو اکھیڑا گیا تھا۔ وہاں واپس جانا چاہتے ہیں۔ خصوصاً غیر روسی علاقے اب کسی روسی گورنر یا افسر اعلیٰ کو اپنے ہاں گوارا کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ روسی پارلیمنٹ نے افغانستان میں فوج کشی کے خلاف قرار دادِ مذمت منظور کر لی۔

چین میں حالات کا نقشہ پہلے سے بدل رہا تھا۔ آج کل روس اور جاپان میں پرانی کشیدگی دور کرنے کے لیے گفت و شنید ہو رہی ہے۔ پولینڈ میں کمیونسٹ حکومت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اور جمہوری انتخابات میں ویلیسا کی عوامی جماعت اکثریت میں آگئی ہے۔ برلن کی دیوار ٹوٹ گئی۔ چیکوسلوویکیہ کو یورپ سے الگ رکھنے کے لیے جو خار دار جنگلے لگائے گئے تھے، وہ ہٹا دیئے گئے ہیں۔ رومانیہ میں البتہ پرانا نقشہ ٹوٹا نہیں، اس لیے ہزار ہا جمہوریت پسند شہری (جملہ ۴۰۰۰) ٹینکوں کے نیچے کچل دیئے گئے ہیں۔ مگر آمریت ختم ہو گئی۔ یوگوسلافیہ میں مسلمان اقلیت مطالبہ کر رہی ہے کہ انہیں اپنی تہذیب پر قائم رہنے کا حق دیا جائے۔

روس اب اس قابل نہیں رہا کہ وہ امریکہ کے خلاف سرد جنگ جاری رکھ سکے۔ اس لحاظ سے دنیا میں ایک ہی طاقت کے غالب رہ جانے کے بعد ایک تاریخی خلا نمودار ہو گیا ہے۔ بالیقین نئے حالات اسے پر کریں گے۔ روس یورپی علاقوں سے مہلک جنگی تنصیبات سمیٹ رہا ہے۔ اعلان کر دیا گیا ہے کہ تمام دنیا سے روسی فوجیں واپس بلائی جا رہی ہیں۔

یہ ہے انجام پون صدی تک لاکھوں انسانوں کو درندگی کا شکار بنانے اور سوشلزم کے خداوندِ باطل کی بھینٹ چڑھانے کا، مگر آج لینن کے پیاروں اور مارکس کے فدائیوں کی آنکھوں کے سامنے سوشلزم نامی جعلی خدا مر گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آیئے کہ ہم سب ان ہزاروں دوستوں سے تعزیت کریں جن کے دلوں کو تازہ تازہ

جبر استوں کی ٹیسیں ستا رہی ہیں۔

ہوا یہ کہ روسیوں اور دنیا بھر کے مارکس پرستوں کا یہ تصور دیمک کھائی ہوئی لکڑی کی طرح ٹوٹ گرا ہے کہ سرمایہ داری آخر کار ارتکاز سرمایہ کی وجہ سے تہس نہس ہو جائیگی اور ہر جگہ ہتھوڑے درانتی کا لال جھنڈا لہرائے گا۔ حتیٰ کہ امریکہ کے وائٹ ہاؤس پر بھی۔

نظریہ یہ تھا کہ سرمایہ جوں جوں نشوونما پاتا ہے، ارتکاز پذیر ہوتا ہے، اجارہ داریاں اور کارٹل سسٹم پیدا ہوتے ہیں، نتیجہ یہ کہ محنت کاروں کی ٹریڈ یونین تحریکیں زور پکڑتی ہیں۔ سرمایہ ہنگاموں اور خطروں سے بھاگتا ہے۔ وہ پہلے ہی ہر قوم کے چند ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے پھیلاؤ کو اور کم کرتا ہے۔ اس طرح بین الاقوامی قوتوں کا لگایا ہوا سرمایہ عالمی منڈیوں اور بنکوں سے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا جاتا ہے۔ کیونکہ ملازمین، مزدوروں، کسانوں، بے روزگار نوجوانوں کی تحریکیں زور پکڑتی ہیں اور پہلا قدم پرامن راستے سے اٹھا کر پھر آہستہ آہستہ کشمکش سے پیدا ہونے والی اسٹیم کے ذریعے جس کے دباؤ کا پیمانہ ہر دور کے نعرے ہوتے ہیں، توڑ پھوڑ اور تخریب کاری کی طرف بڑھنے لگتی ہیں اور جلاؤ، گھیراؤ، بلکہ قتل مقاتلہ کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اس طرح سرمایہ اور زیادہ محفوظ غاروں اور گپھاؤں میں چلا جاتا ہے۔ سرمایہ دار سامراجی قوتوں کے کارخانے بند ہو جاتے ہیں، ان کی پیداواریں گھٹنے لگتی ہیں، اشیاء میں سے کچھ نایاب اور کچھ کمیاب ہو جاتی ہیں بعض ضروریات کی راشننگ ہونے لگتی ہے، اکثر چیزوں پر ٹیکس بڑھتا ہے، زندگی تنگ تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ٹریڈ یونین ازم کے ساتھ سیاسی طوفان بھی امڈ پڑتا ہے۔ اس دوگونہ طوفان میں نہ قانون پوری طرح کام کر سکتا ہے، نہ اخلاقی قدریں آڑے آسکتی ہیں، نہ مذہب دو غلط کاروں کے درمیان کوئی پارٹ ادا کر سکتا ہے، نہ جمہوریت اور لبرلزم بہتری پیدا کر سکتے ہیں، بلکہ معاملات کے بگاڑ میں سب سے زیادہ حصہ لادین جمہوریت اور ملحدانہ لبرلزم ہی کا ہوتا ہے۔ یہ تاریخی عمل مارکس اور اس کے چیلوں کی نگاہ میں تھا کہ یہ آہستہ آہستہ دنیا کی سرمایہ دار پاورز کو منہدم کر دے گا۔

مگر واقعات عجیب رخ اختیار کر گئے۔ روس کے اندر کا سارا عمل مکمل جبریت و استبداد پر مبنی تھا اور اس کے زخمیوں اور ان کی اولادوں میں اس کے خلاف ایک مخفی بیزاری نشوونما پاتی رہی۔ زمینیں حکومت نے قبضے میں لے کر پیداواری ترقی کو محض دلکش نظریوں کے جنون میں ایسا تباہ کیا کہ پون صدی کے اس دور میں نہ صرف یہ کہ وہ زمانے کی بڑی اقوام سے پیچھے رہ گیا اور سرمایہ دار طاقتوں سے پست ہو کر رہ گیا بلکہ مذہب و اخلاق کے خلاف الحاد کی یلغار نے معاملاتی رویوں کو حوالۂ انتشار کر دیا اور مذہب پسند اکثریت میں بھی شدید درد و کرب، بیزاری اور اضمحلال پیدا کر دیا۔ قوموں اور نسلوں کو نئے رسم الخط بنا کر الگ کیا گیا۔ آبادیاں جبراً ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دی گئیں، احتجاج کو روکنے کے لیے گلے دبا دیے گئے اور ہونٹ سی دیے گئے۔ نہ جلسہ، نہ جلوس، نہ آزاد صحافت، نہ آزاد ادب، نہ مستقبل کی کوئی امید۔ پولیٹ بیورو کا آج کا سیکرٹری کل مجرم بنا کر گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ کل کا مجسٹریٹ پرسوں حوالۂ مرگ ہو گیا۔ ایک گھر میں ماں باپ کے خلاف بچے اور ساسوں کے خلاف بہوئیں اور شوہروں کے خلاف بیویاں جاسوس بن گئیں۔ ذرا ذرا سی شکایت پر مہلک درجے کی تفتیش اور تفتیش سے بچ نکلنے والوں کے لیے سائبیریا کے "مشقت کیمپوں" میں دیواروں اور خاردار تاروں اور درندہ فطرت کتوں اور پہرہ داروں کے درمیان بیماریوں اور ناقص غذا کے ہوتے ہوئے زیادہ مشقت کے چند پُرعذاب سالوں کے بعد موت کو گلے لگا کر قیدی رہا ہو جاتے۔

یہ سنگین اور خوفناک نظام اپنے باشندوں کو غذا نہ فراہم کر سکا، لباس نہ دے سکا، مکان نہ مہیا کر سکا، اُن کے معیارِ زندگی کی حد سے زیادہ پستی کو باقی دُنیا کے نصف درجے تک بھی نہ لا سکا۔

اس نظام کی شاندار عمارت دیکھ کر دل دہل جاتے تھے، اور روسی لیڈروں کی تقریروں اور پالیسیوں کی صدائے بازگشت سے قوموں میں ہلچل مچ جاتی تھی، مگر کس کو پتہ تھا کہ اندر سے یہ عمارت کتنی کرم خوردہ ہو چکی ہے، چنانچہ افغانی خون کی لہروں کی ایک ٹکر ہی نے اس کو اُلٹ کے رکھ دیا۔

کل تک نوجوانوں کے لیے کمیونسٹ بننا فیشن تھا اور ہزاروں پڑھا آدمی اُٹھ کر نعرے لگا دیتا کہ "ایشیا سُرخ ہے" اور سرمایہ داری مُردہ باد، ہزار ہا کتابیں فلسفے، تاریخ، اجتماعیات، معاشیات، نظریۂ انقلاب پر لکھ ڈالی گئیں۔ کمیونسٹ پارٹی کی تاریخ بھی لکھی گئی۔ رُوس کے اقتصادی اور معاشرتی حالات کے متعلق جھوٹے سچے اعداد و شمار بھی شائع ہوتے رہے۔ اِدھر ترقی پسندوں کی فوج ہمارے مُلک کی دنیائے ادب پر سوشلزم کا پرچم گاڑے لینن اور رُوسی سوشلزم کے قصیدے پڑھ پڑھ کر نوجوانوں کو مرعوب کر رہی تھی۔ بلکہ بعض علماء کو بھی سوشلزم کے دیو خونخوار کے وجود میں حقیقت کی تجلیاں نظر آنے لگیں۔

اب وہ تجلیاں کہاں ہیں؟
سوشلزم کے صنم خانے کے سارے جھوٹے خدا مر گئے۔
صرف ایک خدائے حی و قیوم باقی ہے۔

دانشوروں، خصوصاً امریکی اکابر کا ذہن یہ ہے کہ گورباچوف ایک چال چل رہے ہیں۔ وہ سوشلزم اور کمیونزم کے چہرے کے "ڈنٹ" دُور کر کے کچھ پلاسٹک سرجری کرا کے اور کسی بیوٹی پارلر ہاؤس کی خدمات حاصل کر کے، کچھ نیا لباس پہنا کر لانا چاہتے ہیں۔

بظاہر وہ یہی کر رہے ہیں۔
مگر کسی کینسر زدہ ڈھانچے کو بنا سنوار کر لانے اور عالمی منفی ایٹر کے اسٹیج سے مغالطہ دینے کا سلسلہ چلنے کا نہیں ؎

بچتے نہیں مؤاخذۂ روزِ حشر سے   گر مدعی رقیب ہے تو تم گواہ ہو

سال ۱۹۹۰ء کے لیے ایک سبق ہمیں دنیا کے عظیم ترین واقعہ سے یہ ضرور لینا چاہیے کہ باطل کی جلوہ طرازیاں کیسی ہی مرعوب کن کیوں نہ ہوں، تاریخ میں اس کی جڑ کبھی گہری نہیں اُترتی۔ اور جب قدرت چاہتی ہے کسی جھکڑ یا زلزلے سے اکھیڑ کے اسے پرے

پھینک دیتی ہے۔

ہمارے سامنے ہٹلر اور مسولینی مٹ گئے۔ ہمارے سامنے کتنی ہی مغربی ریاستوں کے نقشے بدل گئے۔ ہمارے سامنے جاپان اور جرمنی کو بری طرح پچھاڑا گیا، مگر دونوں ملک از سر نو اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہمارے سامنے انگریزی سامراج اپنا بوریا بستر باندھ کر برصغیر سے رخصت ہوگیا۔ اور اس کے بعد وہ نمبر ۲ کی طاقت بن کر رہ گیا۔ ہمارے سامنے امریکہ نے ویت نام میں زک اٹھائی۔ اور اب ہمارے سامنے روس نے کم تعداد، کم اسلحہ اور کم رسد افغان مجاہدین کے ہاتھوں ایسی بری ہزیمت اٹھائی کہ اسی کے نتیجے میں اس کی اپنی جڑیں اکھڑ گئی ہیں۔ اس صدی کا عالمگیر نظام ظلم مٹ گیا۔

بس کوئی بھی باطل نظریہ اور کوئی بھی طاغوتی نظام ایسا نہیں کہ دلیل کی بنا پر یا عوام کے لیے افادیت کی بنا پر، یا انسانیت کے لیے فلاح و بہبود کی بنا پر اچھے نتائج دے سکے۔ اس کے کانٹوں پر آپ چاہے پھولوں کی پتیاں ہی لپیٹ دیں مگر وہ تو چبھیں گے۔ جنہیں چبھیں گے انہیں آپ جبر کی تلوار سے مجبور کیجیے کہ رونے کی اجازت نہیں، ہنسنا لازمی ہے، مگر ان مصنوعی اور جبری تدبیروں سے کوئی باطل حق اور کوئی طاغوت ذریعۂ ہدایت تو نہیں بن سکتا۔

مسلمان نوجوانو! پون صدی لمبے سوشلزم کے تجربے کی ناکامی کے بعد کم سے کم اب اپنے دلوں میں یہ فیصلہ کرلو کہ وحی کی ہدایت سے آزاد ہوکر عقلِ بے راہ رو کے بنائے ہوئے کسی فلسفے اور کسی نظام میں مسلمانوں اور انسانوں کی کوئی بہبود نہیں ہے۔

بس یہ ایک نکتہ ہے کہ جس دن ہماری سمجھ میں یہ پوری طرح آگیا، ہم باطل طاغوتی قوتوں سے مرعوب ہونے کے بجائے ان کے خلاف محاذ آرا ہوسکیں گے۔ نظامِ حق کو اگر مضبوط سپاہی مل جائیں تو پھر کسی باطل کا سکہ زمین پر نہیں چل سکتا۔

نو سال ۱۹۹۰ء کا پروگرام یہ ہوا کہ تمام غیر اسلامی نظریوں اور نظاموں سے انقطاع اور اسلامی نظریہ و نظام کی علمبرداری! اِنْ شَآءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز۔

حکمتِ سیّد مودودیؒ

ہدایت کے دو سرچشمے

انسان کے لیے ہدایت کے سرچشمے دو ہی ہیں - ایک کتاب اللہ۔ دوسرے اسوۂ رسولؐ اللہ، ان ذریعوں سے جس نے ہدایت نہ پائی اس کے لیے پھر کوئی تیسرا ذریعۂ ہدایت نہیں ہے۔ من لم یجعل اللہ نوراً فما لہ من نور۔

یہ ہماری انتہائی خوش قسمتی ہے کہ ہمارے پاس اللہ کی کتاب بھی اپنے اصل الفاظ میں ہر تحریف سے محفوظ ہے، اور اللہ کے رسولؐ کی حیاتِ پاک کے بھی ہر پہلو کے متعلق مفصل اور مستند معلومات موجود ہیں - ضرورت صرف توجہ اور جستجو کی ہے۔

دل میں سچی طلب ہو تو ہر شخص تھوڑی سی کوشش سے یہ معلوم کرسکتا ہے کہ خدا کی کتاب کیا تعلیم دیتی ہے - اور خدا کے رسولؐ نے کس راستے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

کیا آدمی کی اس سے بھی بڑھ کر کوئی بد قسمتی ہوسکتی ہے کہ وہ اتنی آسانیاں موجود ہوتے ہوئے بھی جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتا رہے؟

مبارک ہے ہر وہ کوشش جو بندگانِ خدا تک قرآن کی تعلیم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا نور پہنچانے کے لیے کی جائے۔

("پیغام" مطبوعہ ایشیا - سیرت نمبر - ۳۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

عورت کی سربراہی سے متعلق حدیث کی اسنادی تحقیق

جناب مولانا گوہر رحمٰن صاحب

(۲)

عوف بن ابی جمیلہ پر شیعہ ہونے کے الزام کی حقیقت

ذہبیؒ ۷۴۸ھ اور ابن حجرؒ ۸۵۲ھ نے بندار، ابن مبارک اور داؤد بن ابی ہند کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن ابی جمیلہ شیعہ اور قدری (معتزلی) تھا۔ لیکن باوجود اس الزام کے ذہبیؒ اور ابن حجر نے خود بھی اسے ثقہ قرار دیا ہے اور دوسرے بڑے بڑے آئمہ جرح وتعدیل سے بھی ان کی توثیق نقل کی ہے۔ اور آئمہ ستہ یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس کی روایات بغیر جرح کے نقل کی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مبتدع کی بدعت اگر حد کفر کو نہ پہنچی ہو (قطعی اور اتفاقی کفر) اور وہ صداقت، دیانت اور امانت کی صفات کا حامل ہو۔ جھوٹ بولنے سے اجتناب کرتا ہو اور اچھے کردار کا حامل ہو اور لوگوں کو اپنی بدعت کی دعوت دینے والا نہ ہو۔ بلکہ تاویل کی غلطی کی وجہ سے خود اپنی بدعت پر قائم ہو تو ایسے مبتدع کی روایت جمہور کے نزدیک مقبول ہے۔ اس لیے کہ اس نے بدعت کو عناد اور بدنیتی کی وجہ سے اختیار نہیں کیا بلکہ غلط فہمی اور تاویل کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو گیا ہے۔ ایسے راوی پر جھوٹی حدیث گھڑنے کا الزام اس لیے نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ صادق القول ہوتا ہے۔

خطیب بغدادیؒ متوفی ۴۶۳ھ فرماتے ہیں:۔

وقال کثیر من العلماء تقبل اخبار غیر الدعاۃ من اہل الاھواء[1]

" بہت سے علماء نے کہا ہے کہ ان اہلِ بدعت کی روایات مقبول ہیں جو اپنی بدعت کے داعی نہ ہوں "

خطیب بغدادی نے یہی رائے امام احمد بن حنبلؒ، عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، عبداللہ بن مبارکؒ یحییٰ ابن معینؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، علی بن المدینیؒ اور ابوداؤد الطیالسی سے بھی نقل کی ہے (جو جرح و تعدیل کے امام تھے)[2]

علم اصول حدیث کے مشہور امام ابن الصلاح متوفی ۶۴۳ھ جمہور کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

وھذا مذھب الکثیر او الاکثر من العلماء وھذا المذھب اعدلھا واولاھا[3]

" یہ کثیر یا اکثر علماء کا مذہب ہے اور یہی منصفانہ اور بہترین مذہب ہے "

ابن حجرؒ، نوویؒ، ابن کثیرؒ، سیوطیؒ اور دوسرے کئی علماء اصولِ حدیث نے بھی ابن الصلاح سے اتفاق کرتے ہوئے اسی رائے کو زیادہ مبنی بر انصاف قرار دیا ہے۔ اور یہی بات معقول نظر آتی ہے اس لیے کہ جب ایک آدمی مسلمان ہے، سچا ہے، متقی اور پرہیز گار ہے اور لوگوں کے ساتھ معاملات اور گفتگو میں جھوٹ نہیں بولتا تو صرف تاویل کی غلطی کی وجہ سے وہ کسی بدعت میں مبتلا ہو جانے سے اس کی شہادت قبول نہ کرنا، یا اس کی روایت قبول نہ کرنا کوئی معقول اور منصفانہ طرزِ عمل نہیں ہے۔ یہ تو ہے اکثر علماء کا قول کہ داعی الی البدعت کی روایت قبول نہیں کی جا سکتی اور غیر داعی کی قبول کی جا سکتی ہے لیکن خطیبؒ

---

[1] الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب طبع حیدر آباد دکن ۱۳۰۷ھ ص ۱۲۱۔

[2] الکفایہ ص ۱۲۶ تا ۱۳۰۔

[3] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۰۳-۱۰۴ و تدریب الراوی از سیوطی ص ۳۲۴-۳۲۵۔

نے امام شافعیؒ، قاضی ابن ابی لیلیٰؒ، سفیان ثوریؒ، قاضی ابو یوسفؒ سے یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ اگر مبتدع اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت بھی دیتا ہو پھر بھی اس کی روایت قابلِ قبول ہے بشرطیکہ کافر نہ ہو، صداقت و امانت اور دیانت کے معیارِ مطلوب پر پورا اترتا ہو۔ اور اس کی نقل کردہ حدیث کا تعلق اس کی بدعت سے نہ ہو[۱]

خطیب بغدادیؒ اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کی روایات کے مقبول ہونے کی مضبوط دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعین نے خوارج کی شہادت قبول کی ہے اس لیے کہ خوارج اور ان کی طرح کے دوسرے اہلِ بدعت راست گو تھے۔ جھوٹ بولنے کو بڑا گناہ سمجھتے تھے اور متقی تھے۔ قدیم و جدید اہلِ علم نے ان کی روایات کو مدوّن کیا ہے اور قبول کیا ہے۔ تو یہ ان اہلِ علم کی طرف سے بمنزلۂ اجماع ہے جس سے یہی رائے درست نظر آتی ہے"[۲]

جلال الدین سیوطیؒ نے ۸۱ نام ایسے راویوں کے نقل کیے ہیں جن پر بدعت کا الزام لگایا گیا ہے اور باوجود اس الزام کے بخاری اور مسلم دونوں میں یا ان میں سے کسی ایک میں ان کی روایات نقل ہوئی ہیں۔ ان میں سے ۲۵ راوی وہ ہیں، جن پر شیعیت کا الزام ہے اور ۳۰ وہ ہیں جن پر قدری (معتزلی) ہونے کا الزام ہے۔[۳]

اسی طرح ابن حجرؒ نے ۶۹ نام ان راویوں کے نقل کئے ہیں، جن پر بدعت کا الزام ہے اور ان سے بخاری میں روایات نقل ہوئی ہیں۔[۴]

اگر یہ راوی غالی قسم کے وہ بدعتی ہوتے جن کی روایات ناقابلِ قبول ہوتی ہیں، تو

---

[۱] الکفایہ ص ۱۲۰   [۲] الکفایہ ص ۱۲۵ ملخصاً

[۳] تدریب الراوی جلد ۱ ص ۳۲۸ - ۳۲۹۔

[۴] مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۳ - ۴۸۴۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ان سے روایات نقل نہ کرتے اور اُمت اُن کی کتابوں کو صحیح ترین کتابیں تسلیم نہ کرتی۔

شیعیّت کا مفہوم متقدّمین کی اصطلاح میں

رفض و تشیّع کا جو مفہوم اثنا عشریہ امامیہ نے متعین کیا ہے اور متاخرین کے دور میں مروج ہو چکا ہے وہ تو خلفائے ثلاثہ (ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ) کی خلافت سے انکار پر مبنی ہے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ سے برأت، بُغض صحابہ اور سب و شتم ان کا شعار ہے۔ تقیّہ کے نام سے یہ لوگ جھوٹ بولنے کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قبیل کے شیعہ راوی کی روایت کو قبول کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب کہ یہ لوگ اپنے مذہبِ باطل کے داعی اور مبلغ بھی ہیں۔ بلکہ جھوٹی حدیثیں گھڑ کر پھیلانا بھی ان میں سے بعض کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن متقدمین محدثین کی اصطلاح میں تشیّع کا مفہوم یہ تھا کہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر درجے میں فضیلت دی جاتی۔ اور حضرت علیؓ کو اس کے مخالفین کے مقابلے میں برحق سمجھا جاتا۔ ابوبکرؓ، عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت سے انکار یا ان سے برأت یا صحابہؓ پر لعن طعن اور سب و شتم تشیّع کے اس مفہوم میں شامل نہیں تھا۔ آئمہ جرح و تعدیل جب کسی راوی کو شیعہ کہتے ہیں۔ اور پھر اس کی روایت کو قبول بھی کرتے ہیں تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ یہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے مناقب کے اعتبار سے افضل سمجھتے تھے۔ حالانکہ اہل سنت کے نزدیک حضرت عثمانؓ کی فضیلت اور منقبت حضرت علیؓ سے زیادہ ہے۔ اس نوع کا شیعہ راوی اگر صادق القول اور متقی ہو تو اس کی روایت مقبول ہے۔ اس لیے کہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ سے افضل سمجھنا ایک غلط فہمی ہے کوئی عقیدے کی خرابی نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

التَّشَيُّع في عرف المتقدمين هو اعتقادُ تفضيل عليٍّ على عُثمانؓ وانّ عليًّا كان مُصيبًا فِي حروبه وان مخالفه مُخطِئٌ

مع تقديم الشيخين وتفضيلهما وربما اعتقد بعضهم ان عليًا افضل الخلق بعد رسول الله واذا كان معتقِدُ ذالك ورعًا دَيّنًا صادقًا مجتهدًا فلا تُرَدُّ روايته بهذا لاسيما اذا كان غيرَ داعيةٍ واما التشيُّع فى عرف المتأخرين فهو الرفض المحض (اى السبّ والشتم) فلا تقبل رواية الرافضى الغالى ولا كرامة [1]

"متقدمین کے عرف میں تشیّع سے مراد ہے حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت کا اعتقاد ------------ اور یہ کہ حضرت علیؓ اپنی لڑائیوں میں حق بجانب تھے اور ان کے مخالفین کی رائے صحیح نہیں تھی اس اعتقاد کے ساتھ کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کا درجہ سب سے مقدم ہے۔ بعض اوقات ان میں سے کچھ لوگ یہ عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں (لیکن یہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کے منکر نہیں تھے۔ گوہر) ۔ جب اس عقیدے والا راوی پرہیز گار اور دیانت دار ہو۔ سچ بولنے والا ہو اور اس عقیدے کو اس نے اجتہاد کی بنا پر اختیار کیا ہو۔ (عنادی اور ضدی نہ ہو۔ گوہر) ۔ تو اس کی روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا، بالخصوص جب کہ وہ اس عقیدے کا داعی بھی نہ ہو۔ لیکن تشیّع متاخرین کے عرف میں خالص رفض (ابوبکرؓ، عمرؓ سے برأت کا اعلان اور سب وشتم۔ گوہر) ہو گیا ہے۔ اور غالی قسم کے رافضی کی روایت قبول نہیں کی جا سکتی اور اس کی کوئی قدر نہیں ہے"

شمس الدین ذہبیؒ متوفی ۷۴۸ھ نے اَبَان بن تغلبؒ کے بارے میں فرمایا ہے:

شيعيٌّ جلدٌ لكنه صدوق فلنا صدقه وعليه

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ا ص ۹۴۔

بدعتہ۔

"یہ سخت قسم کا شیعہ تھا لیکن یہ سچا راوی تھا اور ہمارے لیے اس کا سچ بولنا مفید ہے۔ اور اس کی بدعت کا بوجھ اسی پر ہے۔"

ابان بن تغلب سے امام مسلمؒ، ترمذیؒ، ابوداؤد، نسائیؒ اور ابن ماجہ نے روایات نقل کی ہیں اور احمد بن حنبلؒ، ابن معین اور ابو حاتمؒ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اس پر ذہبیؒ نے سوال قائم کیا ہے کہ مبتدع کی توثیق کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

وجوابہ ان البدعۃ علی ضربین فبدعۃ صغریٰ کغلو التشیع او کالتشیع بلا غلو فھذا کثیر فی التابعین وتابعیھم مع الدین والورع والصدق فلو رد حدیث ھؤلاء لذھب جملۃ من الآثار النبویۃ وھذہ مفسدۃ بینۃ ۵

"اس کا جواب یہ ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک چھوٹی بدعت ہے مثلاً تشیع میں غلو کرنا اور بغیر غلو کے تشیع یہ چھوٹی بدعت تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں زیادہ تھی۔ باوجود اس کے کہ یہ لوگ دیانت دار اور پرہیزگار تھے۔ اور سچے تھے اور اگر ان کی روایت رد کر دی جائے تو احادیث نبویہ کا ایک حصہ ضائع ہو جائے گا، جس کا نقصان واضح ہے۔"

شیعیت کے بارے میں متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا فرق بیان کرتے ہوئے ذہبیؒ فرماتے ہیں:

ثم بدعۃ الکبریٰ کالرفض الکامل والغلو فیہ والحط علی ابی بکرؓ وعمرؓ والدعاء الی ذالک فھذا النوع

۵ میزان الاعتدال طبع پاکستان ۹۶۳ جلد ۱ ص ۵

لا یُحتج بھم ولا کرامۃ ایضاً فما استحضر الآن فی ھٰذا الضرب رجلا صادقاً بل الکذب شعارھم والتقیۃ والنفاق دثارھم فکیف یقبل نقل من ھٰذا حالہ حاشا وکلا۔ فالشیعی الغالی فی زمان السلف وعرفھم ھو من تکلم فی عثمان رضہ والزبیر رضہ وطلحہ رضہ ومعاویۃ رضہ ممن حارب علیاً و الغالی فی زماننا وعرفنا من یکفر ھٰؤلاء السادۃ ویتبرء من الشیخین ایضاً فھٰذا ضالٌ وابان بن تغلب لم یکن یعرض للشیخین اصلاً بل قد یعتقد علیاً افضل منھما۔سے

"بدعت کی دوسری قسم بڑی بدعت ہے۔ مثلاً کامل رفض، اس میں غلو کرنا ابوبکر رضہ اور عمر رضہ پر لعن طعن کرنا اور لوگوں کو اس بدعت کی دعوت دینا تو اس قسم کے مبتدعین کی روایت قابلِ استدلال نہیں ہے۔ اور اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اب تو مجھے اس نوع کے شیعوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں معلوم نہیں ہے جو سچ بولتا ہو۔ بلکہ جھوٹ بولنا اب ان کا شعار بن چکا ہے۔ اور تقیہ و نفاق ان کا اوڑھنا بن چکا ہے۔ تو ایسے شخص کی روایت کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔ سلف کے زمانے میں غالی شیعہ صرف وہ ہوتا تھا جو حضرت عثمان رضہ، زبیر رضہ، طلحہ رضہ اور معاویہ رضہ کے بارے میں کلام کرتا تھا، جنہوں نے حضرت علی رضہ سے جنگ کی تھی۔ (یعنی ان کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا تھا، بلکہ ان کی جانب غلطی کی نسبت کرتا تھا)۔ اور ہمارے زمانے میں غالی شیعہ وہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کے ان رہنماؤں کو کافر کہتا ہے اور شیخین (ابوبکر رضہ و عمر رضہ) سے برأت کرتا ہے تو ایسا شخص گمراہ ہے، مگر ابان بن تغلب شیخین پر لعن طعن بالکل نہیں کرتا تھا۔ البتہ اس کا عقیدہ صرف یہ تھا کہ حضرت علی رضہ

سے میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۶

ان دونوں سے افضل تھے۔"

علامہ سیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں:

الصواب انہ لا تقبل روایۃ الرافضۃ وساب السلف کما ذکرہ المصنّف فی الروضۃ فی باب القضاء فی مسائل الافتاء[1]

صحیح یہی ہے کہ روافض اور سلفؒ (صحابہؓ) کو گالیاں دینے والوں کی روایت مقبول نہیں ہے۔ جیسا کہ مصنف (نووی) نے اپنی کتاب روضہ کے باب القضا میں ذکر کیا ہے۔"

صحیحین کے ۲۵ راویوں کو شیعہ کہا گیا ہے۔ یہ متقدمین کی اصطلاح کے مخصوص معنوں میں شیعہ تھے۔ یعنی حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کو فضیلت دیتے تھے۔ متاخرین کی اصطلاح کے معنوں میں وہ شیعہ نہیں تھے جو ابوبکرؓ اور عمرؓ سے برأت کرتے تھے صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں اور تقیہ کے طور پر جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ عوف بن ابی جمیلہ بھی ان ۲۵ ناموں میں شامل ہیں۔ جن کو شیعہ باصطلاح متقدمین کہا گیا ہے۔ اور صحیحین کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث نے بھی ان سے روایات نقل کی ہیں۔ عوف بن ابی جمیلہ سے امام مسلم نے بھی روایات نقل کی ہیں۔ حالانکہ انہوں نے مسلم کے مقدمے میں لکھا ہے۔

ان یُتّقیٰ مِنھَا ماکان من اھل التُّھَمِ والمعاندین من اھل البدع[2]

"اُن راویوں کی روایت سے اجتناب کیا جائے جن پر کوئی تہمت لگائی گئی ہو یا وہ عنادی قسم کے بدعتی ہوں۔"

اگر عوف بن ابی جمیلہؒ عنادی شیعوں میں سے ہوتے یا اُن پر کسی نے جھوٹ بولنے

---

[1] تدریب الراوی جلد ۱ ص ۳۲۶۔
[2] مقدمہ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۶۰ طبع قاہرہ۔

کی تہمت لگائی ہوتی تو امام مسلم اپنی شرط کے مطابق اس سے روایات نقل نہ کرتے
اور امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے آئمہ اسے ثقہ صدوق اور صالح الحدیث نہ کہتے
اس لیے کہ غالی شیعہ کو صدوق اور ثقہ و صالح الحدیث کہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسرے اسانید جن میں عوف بن ابی جمیلہ نہیں آیا

۱۔ امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ متوفیٰ ۲۷۹ھ نے اس حدیث کو جس سند کے ساتھ نقل کیا ہے اس میں عوف بن ابی جمیلہ نہیں آیا، بلکہ اس کی جگہ حسن بصریؒ سے اس حدیث کو حمید الطویل نے نقل کیا ہے۔ ترمذی کے راوی یہ ہیں:

محمد بن المثنیٰؒ — خالد بن الحارثؒ — حمید الطویلؒ — حسن بصریؒ
ابو بکرہؓ [1]

۱۔ محمد بن المثنیٰ ابو موسیٰ البصری متوفیٰ ۲۵۲ھ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔
امام ذہلی نے اسے حجت کہا ہے۔ یحییٰ بن معین نے ثقہ اور ابو حاتمؒ نے
صدوق اور صالح الحدیث کہا ہے [2]

۲۔ خالد بن الحارث ابو عثمان الہجیمی البصری بھی صحاح ستہ کے راوی ہیں۔
امام نسائی نے اسے ثقہ ثبت کہا ہے۔ ترمذی نے اسے ثقہ مامون کہا ہے
اور ابو حاتمؒ نے اسے ثقہ کہا ہے [3]

۳۔ حمید بن ابی حمید الطویل المولود ۶۸ھ المتوفیٰ ۱۴۳ھ بھی صحاح ستہ
کے راوی ہیں۔ یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ کہا ہے اور ابن حجر نے لکھا ہے

---

[1] ترمذی کتاب الفتن باب ۷۵ حدیث نمبر ۲۲۶۲۔
[2] تہذیب جلد ۹ ص ۴۲۹ و رجال البخاری از کلاباذی جلد ۲ ص ۶۸۲ طبع مکہ مکرمہ۔ ۱۹۸۷ء
[3] تہذیب جلد ۳ ص ۱۵۳ رجال البخاری جلد ۱ ص ۲۲۳۔

کہ مشہور من الثقات المتفق علی الاحتجاج بھم - یہ ان مشہور اور ثقہ راویوں میں سے ہیں جن کی روایات کے قابل استدلال ہونے پر اتفاق ہو چکا ہے"[1]

۴ اور ۵ - حسن بصریؒ تو مشہور امام ہیں اور ابو بکرہؓ صحابی ہیں -

ترمذی کی سند کے سارے راوی صحاح ستہ کے ہیں اور ان میں سے کسی پر بھی نہ شیعہ اور قدری ہونے کا الزام ہے اور نہ کسی اور وجہ سے ضعیف ہونے کی جرح موجود ہے - اور ابن ابی جمیلہ کی جگہ اس میں حمید طویل آیا ہے، جو بالاتفاق ثقہ ہے -

۲ ــــ امام ابوداؤد الطیالسیؒ متوفی ۲۰۴ھ نے یہ حدیث سندِ ثلاثی کے ساتھ نقل کی ہے یعنی طیالسیؒ اور رسول اللہؐ کے درمیان تین واسطے ہیں جس سند میں واسطے کم ہوں اسے سندِ عالی کہا جاتا ہے - بخاری کی سند میں واسطے چار ہیں اور ترمذی کی سند میں پانچ ہیں - اس لیے طیالسی کی یہ سند عالی ہے جس کے راوی درج ذیل ہیں اور ان میں بھی ابن ابی جمیلہ نہیں آیا -

عُیَیْنَہ بن عبد الرحمٰنؒ ــــ عبد الرحمٰن بن جَوْشَنؒ ــــ ابو بکرہؓ[2]

عُیَیْنَہ بن عبد الرحمٰن بن جَوْشَن الغَطَفَانی ابومالک البصری متوفی ۱۵۰ھ

سُنَنِ اربعہ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) کے راوی ہیں - یحییٰ بن معینؒ، ابن سعدؒ، نسائیؒ اور ابن حبانؒ نے انہیں ثقہ کہا ہے - امام احمدؒ نے اسے صالح الحدیث کہا ہے - اور ابوحاتمؒ نے اسے صدوق کہا ہے"[3]

عبد الرحمٰن بن جوشن غَطَفَانی تابعی تھے اور ابو بکرہؓ کے داماد تھے -

---

[1] تہذیب جلد ۳ ص ۳۸ - ۶۵ -

[2] مسند ابوداؤد طیالسی طبع بیروت ص ۱۱۸ - حدیث نمبر ۸۷۸ -

[3] تہذیب جلد ۸ ص ۲۴۰ - ۲۴۱ -

ابوزرعہؒ، ابن سعدؒ اور ابن حبانؒ نے اسے ثقہ کہا ہے[1]

ابوداؤد طیالسیؒ کی نقل کردہ حدیث کے الفاظ ہیں: لن یُفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ - اس سندِ عالی میں بھی کوئی ایسا راوی نہیں آیا ہے جس پر بدعت کا الزام ہو یا اُسے ضعیف کہا گیا ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ متوفیٰ ۲۴۱ھ نے مسند احمد میں عورت کی حکمرانی کی ممانعت کی روایات مختلف الفاظ میں ۵ سندوں کے ساتھ نقل کی ہیں - ان میں سے کسی ایک سند میں بھی عوف بن ابی جمیلہ کا ذکر نہیں آیا - ان روایات کے مُتون اور اسانید کی تفصیل درج ذیل ہے -

۳ — بکار بن عبدالعزیزؒ عن ابیہ عبدالعزیز عن ابیہ ابی بکرۃؓ - ابوبکرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ کے پاس ایک شخص فتح کی خوشخبری لے کر آیا - آپؐ نے سجدہ شکر ادا کیا اور پھر پوچھا کہ ان پر حکومت کون کر رہا ہے - اس شخص نے کہا کہ ان پر ایک عورت حکمرانی کر رہی ہے - اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا:

ھلکت الرجال حین اطاعت النساء ثلاثاً -[2]

"مرد جب عورت کی اطاعت کریں گے (حکمران کے طور پر) تو تباہ ہو جائیں گے - یہ فقرہ تین بار دہرایا۔"

یہ حدیث انہی الفاظ میں اسی سند کے ساتھ امام حاکم متوفیٰ ۴۰۵ھ نے مُستدرک میں نقل کیا ہے - اور فرمایا ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے مگر اسے بخاری مُسلم نے نقل نہیں کیا - شمس الدین ذہبیؒ نے بھی اپنی تعلیقات میں اسے صحیح قرار دیا ہے[3]

---

[1] تہذیب جلد ۶ ص ۱۵۵ -

[2] الفتح الربانی لترتیب مُسند الامام احمد الشیبانیؒ کتاب الخلافۃ الفصل الرابع فی امارۃ النساء - جلد ۲۳ ص ۳۵ -

[3] المستدرک للحاکم مع تعلیقات ذہبیؒ جلد ۴ ص ۲۹۱ -

۴ — علی بن زیدؒ عن عبدالرحمٰن عن ابیہ ابی بکرہؓ

بلفظ: ما افلح قوم یلی امرھم امرأۃٌ۔

"وہ قوم کامیاب نہیں ہوگی جس پر عورت حکمرانی کرتی ہو"

۵ — مبارک بن فضالہ عن الحسن البصری عن ابی بکرہؓ

بلفظ: لن یُّفلِحَ قوم تملِکُھُم امرأۃٌ۔

"وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس پر عورت حکمرانی کرتی ہو"۔

۶ — عُیَینہ عن ابیہ (عبدالرحمٰن بن جوشن) عن ابی بکرہؓ۔

بلفظ: لا یفلح قومٌ اسندوا امرھُم الی امرأۃٍ۔

"وہ قوم کامیاب نہ ہوگی جس نے اپنے معاملات عورت کے حوالے کردیے ہوں"۔

۷ — حمید الطویل عن الحسن البصری عن ابی بکرۃؓ۔

بلفظ: لا یُفلحُ قومٌ تملِکُھُم امرأۃ۔

"وہ قوم کامیاب نہ ہوگی، جس پر عورت حکمرانی کرتی ہو"[۱]

۸ — ابن حبانؒ متوفی ۳۵۴ھ نے یہ حدیث لن یُّفلح قوم تملکھم امرأۃ کے الفاظ میں جس سند کے ساتھ نقل کی ہے اس میں بھی ابن ابی جمیلہ نہیں ہے۔ ابن حبان کے راوی یہ ہیں:

مبارک بن فضالہؒ عن الحسن عن ابی بکرہؓ[۲]

۹ — امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ نے اس حدیث کو درج ذیل سند کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں ابن ابی جمیلہ کا ذکر نہیں آیا۔

محمد بن یعقوبؒ، یحییٰ بن محمد بن یحییٰ۔ مُسَدَّدؒ۔ خالد بن الحارثؒ، حمید الطویلؒ،

۱۔ الفتح الربانی جلد ۲۳ ص ۳۵-۳۶

۲۔ الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان کتاب السیر جلد ۷ ص ۲۵۔

حسن بصریؒ ، ابوبکرہؓ ۔

اس حدیث کے مذکورہ اسانید سے معلوم ہوا کہ حسن بصری کے ساتھ ابوبکرہؓ سے نقل کرنے میں عبدالعزیزؒ بن ابی بکرہ ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ اور عبدالرحمٰن بن جوشنؒ بھی موافقت و متابعت کرتے ہیں ۔ اور عوف بن ابی جمیلہ کے ساتھ حسن بصریؒ سے نقل کرنے میں حمید الطویلؒ اور مبارک بن فضالہ بھی متابعت کرتے ہیں ۔ اگر ابن ابی جمیلہ مردود الروایت شیعہ بھی ہوتا پھر بھی از روئے قاعدہ مشہورہ یہ حدیث مقبول ہوتی ۔ اس لیے کہ دوسرے ثقہ راوی اس کی متابعت اور تائید کرتے ہیں ۔ جب ابن ابی جمیلہ صحاح ستہ کے راوی ہیں ۔ دوسرے ثقات اس روایت میں اس کی تائید کرتے ہیں ۔ بخاریؒ ، ترمذیؒ ، نسائیؒ ، بیہقیؒ ، حاکمؒ ، احمد بن حنبلؒ ، ابوداؤد طیالسیؒ ، ابن حبانؒ ، ذہبیؒ ، ابن حجرؒ اور بدرالدین عینیؒ جیسے محدثین نے عورت کی حکومت کے ممنوع ہونے کے بارے میں اس کی نقل کردہ مذکورہ حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور چودہ سو سالہ تاریخ اسلام میں ہر دور کے فقہاء اور محدثین نے عورت کی حکمرانی کے ممنوع اور منکر ہونے کے لیے اس حدیث کو بطور حجت پیش کیا ہے ۔ یعنی اس حدیث کو تلقی بالقبول کا مقام حاصل ہے ۔ تو اب قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ اس درجے کی حدیث کو بھی ناقابلِ استدلال کہنا کیا حق پسندی پر مبنی ہے یا کسی نیتِ فاسدہ پر مبنی ہے یا پھر لاعلمی پر مبنی ہے ؟

وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيل

اللّٰهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه ۔ وصلّى الله تعالىٰ علىٰ سيدنا محمدٍ وعلىٰ آله واصحابه اجمعين

شر کی قوّتوں کی کامیابی کا طریقۂ کار

جناب پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

(۲)

دوسوال یہاں ایک سوال بڑا اہم ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے مقدس اور متقی گروہ کی موجودگی میں یہ تغیر کیسے ممکن ہوا۔ اس میں پہلا عامل تو وہ سیاسی فضا ہے جو بنی اُمیہ کی حکومت کے دور میں عمومی نفرت کی صورت میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس ذہنی فضا کو ان داعیانِ شر نے خوب خوب استعمال کیا۔ نفرت کا دائرہ خوب پھیلایا۔ یہ کہا گیا کہ حضرت علیؓ کے اجداد سے قریش اور بنی اُمیہ کے لوگ برسرِپیکار رہے ہیں۔ خلفاء بھی حضرت علیؓ سے پرخاش رکھتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے تو باقاعدہ جنگیں لڑی ہیں۔ یزید نے تو حضرت حسینؓ کو شہید کر دیا۔ دوسرے عام مسلمانوں نے یا تو بنی اُمیہ کے حکمرانوں کا ساتھ دیا۔ یا مجرمانہ خاموشی اختیار کی۔ اس طرح محبتِ علیؓ اور نفرت بنی اُمیہ کو خوب اُچھالا گیا۔ پھر اُصولِ استلحاق کے تحت نفرت کو صحابہ کرامؓ، خلفائے راشدینؓ اور عام اہلِ سنّت کی طرف پھرایا۔ ان سب سے اپنے گروہ کو برگشتہ بلکہ متنفر کر دیا۔

یہاں تک تو تاریخ رہنمائی کرتی ہے۔ مگر ایک اہم عامل پھر بھی نظروں سے اوجھل رہ جاتا ہے۔ کسی بھی فکر اور فلسفہ کو انسانی گروہ میں راسخ کرنے کے لیے آہنی عزم و ہمت کے افراد درکار ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو تاریخ کو بناتے ہیں یا بگاڑتے ہیں۔ اس لیے اس انقلاب میں اہم ترین عامل وہ مردانِ کار ہیں جنہوں نے پسِ پُشت

رہ کر اماموں کے نام پر یہ "عظیم انقلاب" برپا کر دیا۔ بلاشبہ وہ فکری اور عملی صلاحیتوں کے لحاظ سے غیر معمولی افراد تھے۔ مؤرخین نے ان کو قرار واقعی اہمیت نہیں دی۔ میمون قداح، حمدان قرمطی اور عبداللہ بن میمون قداح نے یہ "کارنامہ" انجام دیا۔ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کا انکار ممکن نہیں۔ انہوں نے اپنے آہنی عزم اور ارادہ کے بل پر یہ خود ساختہ نظام قائم کر دیا، جو صدیوں تک برپا رہا ہے۔

کمیونسٹ انقلاب ہمارے دور میں کمیونسٹ انقلاب میں بھی یہی ٹیکنیک استعمال کی گئی۔

۱— چند ذہین اور شاطر لوگوں نے مزدوروں اور غریبوں کی بدحالی اور زبوں حالی کا نقشہ اس انداز سے کھینچا کہ لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ غریبوں کی ہمدردی کا نعرہ اس زور شور سے لگایا کہ سرمایہ داروں اور حکمرانوں کے ایوان بھی لرز اُٹھے۔ اہل یورپ کی اکثریت کو مزدور طبقے کی ہمدردی پر راغب کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مزدور کی ہمدردی کا جذبہ دوسرے تمام تقاضوں پر چھا گیا۔

۲— مزدوروں کی ہمدردی نے سرمایہ داروں سے شدید نفرت پیدا کر دی۔ سرمایہ دار ذلیل و خوار ہو گئے۔ ہر وہ شے جو سرمایہ دار سے منسلق تھی وہ قابلِ مذمت ٹھہری۔

۳— پھر شاطروں نے اصولِ استلحاق کے تحت مذہب، اخلاق، علوم و فنون کو سرمایہ دار سے وابستہ کر دیا۔ اور سب کو قابلِ مذمت قرار دے دیا۔ ذہنِ انسانی کو خارج کی ہر شے سے عاری کر دیا۔ صدیوں کا اندوختہ علوم و فنون کا سرمایہ قابلِ مذمت قرار پا گیا۔

۴— پھر نئے سوشلسٹ انسان اور سوشلسٹ نظام کی تخلیق کی گئی، جس میں مذہب اور اخلاق کی کوئی اقدار و حدود باقی نہیں۔ کوئی شے نہ بڑی ہے نہ عظیم ہے۔ اس لیے کمیونسٹ انقلاب کے داعیوں نے وہ جہاں سوز مظالم کئے جس کے سامنے چنگیز خاں

۱ـه بلکہ کمیونسٹ فکر کے دائرے سے خارج کی ہر شے سے عاری کر دیا۔ (ن میں)

اور ہلاکو خاں بھی ہیچ ہیں۔

۵ — نیا نظام مارکس اور اینگلز نے تخلیق کیا اور لینن اور اسٹالن نے رُوس میں قائم کیا۔ قطع نظر دوسری باتوں کے یہ لوگ فکر و عمل کی قوتوں کے اعتبار سے "غیر معمولی" لوگ تھے۔ آہنی عزم و ارادہ کے حامل لوگ تھے۔ کوئی رکاوٹ ان کے لیے رکاوٹ نہیں تھی۔ اس طرح مارکس کے ذہن سے نکلے ہوئے افکار کو لینن نے خوب پھیلایا۔ اور اسٹالن نے (اپنے تصورات میں ڈھال کر — نے حوے) ایک خطہ میں برپا کر دیا۔ ایک ریاست قائم کر دی — دُنیا کا ایک معروف نظریۂ حیات بنایا۔ یہ بڑا "کارنامہ" ہے۔

ترکیہ کا لادینی انقلاب مصطفےٰ کمال پاشا نے ترکیہ میں خلافتِ عثمانیہ کو ختم کرنے اور اس کی جگہ ایک لادینی ریاست قائم کرنے میں یہی ٹیکنیک استعمال کی۔ اور کامیابی حاصل کی۔

۱ — یورپ ایک مدت سے ترکیہ کے "مردِ بیمار" کی زبوں حالی کی تصویر پیش کر رہا تھا۔ اس کے ردِ عمل کے طور پر ترکیہ میں وطنیت اور قومیت کی تحریک کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ ترکیہ کے مخالفوں سے شدید نفرت پیدا ہو گئی۔ نفرت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

۲ — پہلی جنگِ عظیم میں ترکیہ کو شکست ہوئی۔ نوجوان ترکوں کی انجمن نے شکست میں خلافت کو بھی ملوث کیا۔ اس لیے اس سے نفرت پیدا ہو گئی۔ قومیت کے ردِ عمل میں عرب قومیت اُبھری۔ نوجوان ترکوں نے شکست میں عربوں کو بھی ملوث کیا۔ اُن سے نفرت پیدا ہوئی۔

۳ — پھر اصولِ استلحاق کے مطابق عربوں سے نفرت اسلام کی جانب منتقل کر دی گئی۔

۴ — دوسری جانب مصطفےٰ کمال جنگ میں کامیابی کے سبب قومی ہیرو بن کر اُبھرا۔

(باقی برصفحہ ۴۶)

حضرت مجدّد الف ثانیؒ - ایک عظیم مجاہد

جناب حافظ محمد ادریس صاحب

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا سلسلہ اپنے محبوب پیغمبر سیّد الانبیاء و امام الرسل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم فرما دیا۔ آپؐ کے بعد نہ کوئی نبی دُنیا میں آئے گا نہ کوئی رسول۔ رشد و ہدایت قرآن و سُنّت کی صورت میں تائیدِ ربّانی سے محفوظ ہو چکی ہے۔ البتہ تاریخ کے مختلف ادوار میں انسان اپنی کم عقلی اور مادّہ پرست تہذیبوں کی یلغار کے سبب راستہ گم کرتا رہا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جب کبھی ایسی صورت پیدا ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو بھیج دیتا تھا۔ لیکن اب چونکہ رسالت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے اس لیے رُشد و ہدایت کی ذمہ داری اُمتِ محمدیہ کے اہلِ علم و بصیرت افراد پر ڈالی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ــ" اللہ ہر صدی کے سر پر اس اُمت کے لیے ایسے لوگ اُٹھاتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرتے رہیں گے "ــ (ابوداؤد عن ابوہریرہ)

تجدید کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ مجددین اپنی طرف سے کوئی نئی چیز دین میں داخل نہیں کرتے بلکہ وہ دین کو اس کی اصلی صورت میں نکھار کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ اس امت میں پیدا ہونے والے مجددین کی بڑی لمبی فہرست ہے۔ ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کے کسی خاص پہلو پر تجدید و احیاء کا فریضہ سرانجام دیا اور بعض وہ حضرات ہیں جن کی جہود جامع تھیں۔ ہماری تاریخ کے نمایاں ترین مجددین میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، ائمہ اربعہ، امام بخاری و مسلم، امام غزالیؒ

امام ابن تیمیہؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

ان تمام بزرگوں کے تجدیدی کارناموں اور جدوجہد پر اہلِ قلم نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کتاب "تجدید و احیائے دین" اختصار کے باوجود اس موضوع پر بڑی جامع اور مفید دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور ہر جگہ تشنگانِ علم نے اُسے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ برصغیر پاک و ہند کے معروف ترین مجدد تھے۔ انہیں اس خطے میں مجددین کے درمیان متقدم اور پیش رو ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ حضرت صاحبِ تصنیف بھی تھے اور صاحبِ حال بھی۔ آپ نے ملوکیت کے جبر نظام میں نعرۂ حق بلند کیا۔ اور آزمائشیں جھیلنے کے باوجود اپنی دعوت سے کبھی رُوگردانی نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی مقبولیت اور ہر دلعزیزی عطا فرمائی کہ امام احمد بن حنبلؒ کی طرح زندگی ہی میں لوگوں کی عقیدت و محبت کا مرکز و محور بن گئے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے منظوم ہدیۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے۔

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں ، ولیکن نہیں بیدار
آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہوا بند
ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار
عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلہ فقر سے ہو طرۂ دستار
باقی کلہ فقر سے تھا ولولۂ حق
طروں نے چڑھایا نشۂ خدمتِ سرکار

ذاتی اور خاندانی تعارف

حضرت مجدد کا نام نامی احمد بن شیخ عبدالاحدؒ تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب اڑتالیس پشتوں کے بعد امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو فاروقی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی پیدائش ہند کے مشہور قصبے سرہند شریف میں ہوئی اور وہیں آپ مدفون ہیں۔ اپنے مولد و مسکن کی وجہ سے آپ کو سرہندی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بات بھی قارئین کے لیے باعثِ دلچسپی ہوگی کہ قصبہ سرہند آپ کے جدِامجد شیخ رفیع الدین عرف امام نماز نے سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں بادشاہ کے مشورے سے آباد کیا تھا۔ حضرت کی ولادت بعض مؤرخین کے مطابق ۹۷۱ھ بمطابق ۱۵۵۹ء بیان کی گئی ہے جب کہ مولانا مودودیؒ کی تحقیق کے مطابق آپ کا سنِ پیدائش ۹۷۵ھ بمطابق ۱۵۶۳ء ہے۔

آپ کے آباؤ اجداد میں بہت سے علماء اور صوفیا کے نام ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ والیٔ کابل سلطان شہاب الدین علی المقلب بہ فرخ شاہ بھی آپ کے اجداد میں شامل ہیں۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے ہندوستان پر کئی حملے کیے اور فتوحات کے پھریرے لہرائے۔ بعد میں انھوں نے بھی تصوف کی زندگی اختیار کر لی تھی۔

حضرت مجدد الف ثانی نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر اپنے والدِگرامی شیخ عبدالاحد اور دیگر اساتذہ سے علومِ دین کی تحصیل میں مصروف ہو گئے۔ تحصیلِ علم کے

سلسلہ میں مختلف شہروں کا سفر کیا۔ آپ سیالکوٹ میں بھی کچھ عرصہ رہے جہاں شیخ محقق کمال کاشمیری سے بعض کتابیں پڑھیں۔ آپ کی شخصیت پر سب سے زیادہ اثر حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی ذاتِ والا صفات نے ڈالا۔ حضرت باقی باللہؒ اپنے دور میں تصوف طریقت کے سب سے بڑے مرجع اور صاحبِ عرفان بزرگ تھے۔ حضرت مجدد بارہا حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روحانی مدارج اور تزکیۂ نفس کے مراتب حاصل کیے۔ حضرت خواجہ نے آپ کو اپنا خلیفہ بنا کر واپس سرہند بھیجا۔ جہاں آپ نے اسلام کی روشنی پھیلانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ خواجہ باقی باللہ کو آپ پر بڑا اعتماد تھا۔ انہوں نے حضرت مجدد کے بارے میں ان کی پہلی حاضری کے چھ دن بعد ان خیالات کا اظہار فرمایا۔

"حال ہی میں سرہند سے ایک شخص شیخ احمد نامی آیا ہے۔ نہایت ذی علم ہے۔ نہایت عملی طاقت رکھتا ہے۔ چند دن فقیر کے ساتھ ہی اس کی نشست و برخاست ہوئی ہے۔ اِس دوران میں اس کے حالات کا جو مشاہدہ ہوا، اُن کی بنا پر توقع ہے کہ یہ ایک چراغ ہوگا۔ جو دُنیا کو روشن کردے گا"۔ (تجدید و احیائے دین صفحہ ۸۶، ۸۷)

اکبر کا دینِ الٰہی مغل شہنشاہ اکبر نے برسر اقتدار آنے کے کچھ عرصہ بعد ہندوؤں کے زیرِ اثر اسلام کے خلاف سرکاری سرپرستی میں ایک زبردست مہم چلائی۔ اکبر کے دینِ الٰہی کے بارے میں آج شاید ہم تصور بھی نہیں کرسکتے کہ اسلام کے خلاف وہ کتنی بڑی سازش تھی۔ اسلامی شعائر کا مذاق اُڑایا جاتا اور قرآن اور صاحبِ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی توہین کی جاتی۔ اکبر نے اسلام کے خلاف جو زہریلا بیج بویا تھا۔ اس کے زہریلے برگ و بار میں سے یہ شیطانی نظریہ بھی تھا کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت صرف ایک ہزار سال کے لیے تھی۔ اب چونکہ ہزار سال پورے ہوگئے ہیں اس لیے وہ دین اور شریعت منسوخ ہوچکی ہے۔ سرکاری سرپرستی میں زوردار مہم کے ذریعے یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ اب نیا دور شروع ہوگیا ہے جس کے لیے ایک نئے دین کی

ضرورت ہے۔ اس فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی مشیت نے ایک نہایت قابل، بہادر اور صاحبِ بصیرت و حکمت مجدد پیدا فرمایا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی کو مجدد الف ثانیؒ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اکبر کے اس باطل نظریے کے مقابلے پر آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام اور شریعتِ محمدیہ ہزار سال کے لیے نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ اُمت نے آپ کی خدمات کی وجہ سے آپ کو ایک صدی کا مجدد کہنے کے بجائے ہزار سال کا مجدد تسلیم کیا۔ اکبر کے پیدا کئے ہوئے فتنے کے سامنے علمائے سو خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے تھے۔ ان میں سے بہت سے اکبر کے ہم نوا بن کر دُنیا کماتے رہے۔ سرکاری خزانے اور فوج کے بل بوتے پر دینِ الٰہی کا بے پناہ پرچار کیا گیا۔ درباری ادیبوں اور شاعروں نے دینِ الٰہی کی ترویج میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر پھونکوں سے نورِ حق کب بجھ سکتا ہے؟ اکبر کا پرپوتا محی الدین اورنگ زیب عالمگیر دینِ الٰہی پر تبصرہ کرتے ہوئے پکار اٹھا تھا: "جدِ من اکبر نہ بود اکفر بود" — یہ حضرت مجدد کے تجدیدی کارنامے کی ایک جھلک تھی جس نے شاہی خاندان کا رخ دینِ الٰہی سے دوبارہ دینِ اسلام کی طرف پھیر دیا تھا۔

اکبر کے دینِ الٰہی اور اس سے پیدا ہونے والی فتنہ انگیزیوں پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ یہاں تفصیلات کی نہ گنجائش ہے نہ موقع۔ مختصراً میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ سرزمینِ ہند میں مختلف مقامات پر اس پُرآشوب دور میں بھی بعض نیک دل بزرگانِ دین شمعِ اسلام کو فروزاں کیے رہے، مگر ان کا کام بہت محدود اور مٹتے ہوئے اس طاقت ور فتنے کے مقابلے میں تقریباً غیر مؤثر تھا۔ جس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائی وہ حضرت شیخ احمد سرہندی تھے۔ اس عظیم جدوجہد کے دوران حضرت مجدد پر دورِ ابتلاء و آزمائش بھی آیا۔ مگر وہ ہر آزمائش پر پورے اُترے۔ گوالیار کے قلعے میں آپ نے جس استقامت و پامردی کا مظاہرہ کیا اُس نے آپ کو مخالفین کی نظروں میں بلند مقام عطا کیا۔ ایک مصلح کی حیثیت سے آپ نے شاہی دربار میں بھی بلا خوف و خطر کلمۂ حق بلند کیا۔ اور قلعے کی چار دیواری کے

اندر قید کے دوران میں بھی سنتِ یوسفی کو زندہ کیا۔ آپ نے بیک وقت کئی محاذوں پر جنگ لڑی اور میرے نزدیک یہ اُن کی سب سے بڑی کرامت ہے کہ تن تنہا اس مشکل کام کا بیڑا اُٹھانے کے بعد اُن کے قدم کبھی پیچھے نہیں ہٹے، بلکہ مسلسل پیش قدمی کرتے رہے۔ مطلق العنان بادشاہت میں ایسی تحریک چلانا کس قدر مشکل ہوتا ہے، محتاجِ بیان نہیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل تھا کہ آپ سے شہزادے اور جرنیل بھی متاثر ہوئے اور سپاہی و مزدور بھی۔ غیر مسلموں کو آپ نے اسلام میں داخل کیا اور پیدائشی مسلمانوں کو باعمل و باکردار مسلمان بنایا۔

اصلاحی اثرات ایک دور میں شہنشاہ جہانگیر بھی آپ کی مخالفت کرتا رہا اور آپ کو دبانے کے لیے شاہی قوت کا بھرپور استعمال کیا مگر آپ کا سر نہ جھکا سکا۔ بالآخر آپ کے کردار سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ عقیدت ہوا۔ اور اپنے بیٹے شہزادہ خرم کو آپ کی بیعت میں دے دیا۔ یہی شہزادہ خرم بعد میں شاہجہان کے نام سے ہندوستان کا حکمران بنا۔ مغلیہ خاندان میں سب سے زیادہ متقی حکمران اورنگ زیبؒ تھا۔ اورنگ زیب اگرچہ حضرت مجددؒ کی وفات کے بعد پیدا ہوا مگر اس کی شخصیت حضرت کی تجدیدی کاوشوں سے متاثر و مرتبن تھی۔ یہ بھی میرے نزدیک شیخ سرہندی کا کارنامہ تھا کہ ہندوستان کو اورنگ زیب جیسا زاہد و عابد، درویش منش، علم دوست اور مجاہد حکمران نصیب ہوا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں: "وہ شیخ ہی کے پھیلائے ہوئے اثرات اثرات تھے جن کی بدولت تیموری خاندان کے اس شہزادے کو وہ علمی اور اخلاقی تربیت ملی تھی کہ اکبر جیسے ہادمِ شریعت کا پرپوتا خادمِ شریعت ہوا"۔ (تجدید و احیائے دین، ص ۸۷-۸۸)۔

چوتھی لڑائی حضرت مجددؒ نے چوتھی لڑائی لڑی۔ ایک جانب دینِ الٰہی کو چیلنج کیا اور مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اسے بن دبیخ سے اُکھاڑ پھینکا۔ دوسری جانب عام مسلمانوں میں پھیلی ہوئی بدعات، رسومِ جاہلیت اور شرک کے مقابلے پر قرآن و سنت کی روشنی میں توحید پر مبنی دینِ اسلام پیش کیا۔ تیسری جانب تصوف کی دُنیا میں غلو اور افراط و تفریط کو محسوس کیا اور اس کی اصلاح کی کامیاب کوشش کی۔ تصوف کے مختلف طرق کے مشائخ

سے روابط قائم کیے اور نہایت حکمت، تدبر اور محبت کے ساتھ اس کی اصلاح کی سبیل نکالی۔ مکتوبات میں کئی مقامات پر آپ نے تصوف و طریقت کے لطائف بیان کرتے کے ساتھ ساتھ تصوف میں در آنے والے غیر مطلوب رجحانات کی نشاندہی کی ہے اور کہیں کہیں ان پہ تنقید بھی فرمائی ہے۔ شیخ چھتری کے نام اپنے خط میں بیان کرتے ہیں ۔ "مدت درازتک علم و معرفت اور حال و وجد کی موسلا دھار بارش مجھ پہ ہوتی رہی ہے۔ راہ سلوک و تصوف میں جو کچھ بھی ملا خداوند پاک کے فضل و کرم سے ملا۔ اب میری حالت یہ ہے کہ سوائے اِس کے کوئی آرزو باقی نہیں رہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی مُردہ سنّت کو زندہ کروں ۔ رہا حال و وجد کا معاملہ تو میں نے اس سے بے نیاز ہو کر اسے اربابِ ذوق کے لیے چھوڑ دیا ہے"۔ خواجہ جہان کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ "کامیابی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی مکمل اتباع کی جائے"۔ اسی طرح شیخ نظام تھانیسری کے نام اپنے طویل مکتوب میں لکھتے ہیں۔ "فرائض کی ادائیگی نوافل پہ مقدم ہے۔ فرائض سے غفلت برت کر نوافل کے ذریعے کبھی مقصود حاصل نہیں ہو سکتا"۔ اس کے بعد مؤطا امام مالکؒ کی ایک حدیث نقل کی ہے، جس میں امیر المومنین عمر فاروق اور سلیمان بن ابی خیثمہ کا تذکرہ ہے۔ حدیث بڑی ہی ایمان افروز ہے۔

تصانیف حضرت مجددؒ اس عملی جہاد کے ساتھ درس و تدریس اور تالیف و تصنیف کا کام بھی کرتے رہے۔ آپ کی تصانیف بڑی وقیع اور بلند پایہ ہیں۔ آپ کی جملہ تصانیف میں علمی و روحانی رنگ پایا جاتا ہے۔ آپ بیک وقت دل کو بھی مخاطب کرنے اور دماغ کو بھی۔ روافض کے رد میں آپ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام تھا رسالہ "تہلیلیہ"۔ اس کے علاوہ "اثبات النبوۃ"، "مبدأ و معاد"، "مکاشفات غیبیہ"، "آداب المریدین"، "رسالہ رد شیعہ" آپ کی مشہور مؤلفات ہیں۔ کوچہ تصوف میں آپ نے کافی راہ نوردی کی اور اپنے ذاتی تجربات اور سلوک و منزل کے احوال

بڑی تفصیل کے ساتھ ایک رسالے میں تحریر فرماتے ہیں۔ اس رسالے کا نام ہے "معارف لدنیہ" شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور زمانہ کتاب جو صوفیا کے بعض طرق میں بطور نصاب شامل رہی ہے اور جس کا نام "عوارف المعارف" ہے۔ حضرت مجدد کی خصوصی توجہ کی مستحق ٹھہری۔ آپ نے اس کتاب کی شرح بھی لکھی اور اس کے بعض مقامات پر تعلیق و تبصرے بھی تحریر فرمائے۔ اس شرح کا نام "تعلیقاتِ عوارف" ہے۔

آپ کی تالیفات میں سب سے زیادہ شہرت آپ کے مکتوبات کو نصیب ہوئی۔ آپ کے مکتوبات تین ضخیم جلدوں میں مختلف مقامات سے بار ہا چھپ چکے ہیں۔ آپ مجدد اور مجتہد تھے اس لیے آپ کا ہر مکتوب اپنی جگہ ایک مستقل رسالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اختصار ملحوظ ہے ورنہ جی چاہتا تھا کہ بعض مکتوبات سے کچھ اقتباسات نقل کیے جاتے۔ تین چار صدیاں گذر جانے کے باوجود یہ مکتوب آج بھی تر و تازہ اور مفید ہیں۔

فراستِ مومنانہ مغلیہ دور میں شہنشاہ اکبر اور اس کے اسلام دشمن حواریوں کے ہاتھوں اسلام کے بنیادی عقائد و تصورات کو مسخ کرنے کی مذموم مہم جاری تھی۔ مغلیہ سلطنت کے ہر دور میں جنگ تخت نشینی عجیب و غریب قسم کے گل کھلاتی رہی ہے۔ اکبر نے اپنے بیٹے شہزادہ سلیم کی جگہ سلیم کے بیٹے اور اپنے پوتے شہزادہ خسرو کو جانشین بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بظاہر یہ ایک سیاسی تنازعہ تھا جس سے اہلِ دین کو کوئی سروکار نہ ہو سکتا تھا مگر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی دور رس نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ اس جنگِ تخت نشینی میں اگر خسرو کامیاب ہوا تو راجہ مان سنگھ اور مرزا عزیز بیگ کوکہ (خانِ اعظم) دینِ الٰہی سے بھی معاملہ آگے لے جائیں گے۔ سکھوں کے گرو ارجن سنگھ بھی خسرو کے طرفدار تھے۔

شہزادہ سلیم (جو جہانگیر کے لقب سے ہندوستان کا بادشاہ بنا) اپنے باپ اور بیٹے کے مقابلے پر تختِ دہلی کے حصول کی جنگ میں کمزور تھا۔ اعیانِ سلطنت اس کی بجائے اکبر کے ساتھ تھے۔ سلیم کا اپنا کردار بھی کچھ اچھا نہ تھا، مگر حضرت مجدد کی خداداد صلاحیتوں اور دور رس نگاہوں نے ان پر یہ حقیقت آشکارا کر دی تھی کہ سلیم کی کامیابی کی صورت میں "دینِ الٰہی" کا فتنہ ختم کیا جا سکتا ہے۔ نیز سلیم بد عمل

ضرور ہے بدنیت نہیں، اس لیے اس کی اصلاح بھی ممکن ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد نے شہزادہ سلیم کی حمایت کی اور اس کے لیے اعیانِ سلطنت میں سے اپنے ایک معتمد اور عقیدت مند شیخ فرید کو آمادہ کیا کہ وہ سلیم کا ساتھ دیں۔ انہوں نے سلیم کی حمایت میں بڑی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور فتوحات کے ذریعے اس کی تختِ دہلی تک رسائی کا راستہ کھول دیا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ جہانگیر کے عہد میں ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۴ء) میں وفات پا گئے۔ تجدید کا جو کارنامہ آپ نے سرانجام دیا تھا وہ زندہ رہا۔ اس کے اثرات ہندوستان اور گرد و نواح کے ممالک میں اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ آپ کے تربیت یافتہ لوگوں نے پورے علاقے میں پھیل کر اپنے مدرسوں اور خانقاہوں کے ذریعے دینِ حنیف کی روشنی پھیلائی۔ مکتوبات آج بھی ایک زندہ کتاب ہے۔ اِسے پڑھ کر انسان حرارتِ ایمانی اور کیفیتِ رُوحانی سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

ہر چند کہ دَورِ جدید عہدِ شہنشاہی سے مختلف ہے اور اس کے تقاضے بھی الگ نوعیت کے ہیں۔ مگر حضرت مجدد کی فکر رسا آج بھی تر و تازہ ہے۔ سیاسی جدوجہد کرنے والی اصلاحی جماعتوں کو اس دَور میں بعض اوقات بڑے مشکل فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ مگر شیخ سرہندی کی سیرت اور کارِ تجدید میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے ان کی سیاسی بصیرت اور باریک بینی کا پتہ چلتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسلام کو بطور مکمل نظامِ زندگی نافذ کرنے کی جدوجہد میں شامل ہر کارکن کو حضرت مجدد کی حیاتِ طیبہ اور مکتوبات کا دقیق مطالعہ کرنا چاہیے۔ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کا راستہ روکنے والے عناصر کے اکثر مغالطوں کا جواب حضرت مجدد کی تحریروں میں موجود ہے۔

(اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے سابق ناظمِ اعلیٰ البصار عالم مرحوم کی کتاب "حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تجدیدی کارنامہ" مطبوعہ حرا پبلی کیشنز کے پیش لفظ سے اقتباسات۔ ن)

لائبریری بیت الحکمۃ (ہمدرد یونیورسٹی)

ایک نوٹ

نعیم صدیقی

"ہمدرد" کراچی کی طرف سے "بیت الحکمۃ" (ہمدرد یونیورسٹی کی لائبریری)[1] پر ایک معلوماتی دستاویز موصول ہوئی - اور حکیم محمد سعید صاحب نے جب اوّل اوّل اس منصوبے کا انکشاف کیا تھا تو اس وقت دل میں سچی مسرت کی ایک کلی پھوٹی تھی - آج اس دستاویز اور اس میں مندرجات کو پڑھ کر وہ نسیمِ بہجت کے جھونکوں سے رنگ و نکہت بکھیرتا ہوا ایک پھول بن گئی ہے -

حکیم صاحب کی خدمات تنہا دائرۂ طب میں ایسی اور اتنی تھیں کہ ان کو ایک ناقابلِ فراموش بڑا آدمی بنانے کے لیے کافی تھیں، مگر انہوں نے اپنے شہبازِ عزم کے بازو اس طرح فضا میں پھیلا کر پرواز کی کہ ان کی بال جنبانی سے صدا آئی کہ

صحرا است کہ دریا ست ، تہِ بال و پرِ ماست

وہ ادب کے میدان میں نمودار ہوئے ، انہوں نے تاریخ کے اوراق کی سیر کرائی ، وہ اپنے ذوقِ سفر کے اُڑن کھٹولے پر اپنے قارئین کو ملکوں ملکوں اُڑاتے پھرے اور ان کو معلومات اور لطائف اور نکاتِ حکمت سے نوازتے گئے ، انہوں نے بچوں کے لیے

---

[1] یہ تحریر ہمیں بیت الحکمۃ (ہمدرد یونیورسٹی لائبریری) کے افتتاح کے موقع پر دعوت نامۂ شرکت سے قبل موصول ہوئی - پیر ۱۱ دسمبر کو تقریب کا افتتاح عالی مرتبت صدر پاکستان جناب غلام اسحٰق خان صاحب نے فرمایا -

نونہال میں لفظوں کی خوبصورت تتلیاں اُڑائیں، انہوں نے بین الاقوامی سیمیناروں میں شریک ہو کر اور بارہا علمی سیمینار یہاں منعقد کر کے سائنسی اور انسانی علوم کی وادیوں میں جولانیاں دکھائیں، انہوں نے کراچی میں درسِ قرآن کا سلسلہ حسن و خوبی سے چلایا، انہوں نے پاکستان کے اہم شہروں میں ایسی ایسی "شامِ ہمدرد" منعقد کیں جنہوں نے اس ظلمت زدہ دیار میں صبحِ درخشاں کی کرنوں کی جھلملاہٹ کے مناظر دکھا دیئے۔ کبھی وہ رسالہ پیامی میں جلوہ گر ہیں، کبھی اخبار الطب میں ضو ریز، کبھی نونہال میں بچے کو نہال کر رہے ہیں، اور کبھی آوازۂ اخلاق کی لہر اٹھا رہے ہیں۔

میں نہ کسی کی قصیدہ گوئی کا مریض رہا ہوں اور نہ مجھے بے جا مبالغہ کے کیڑوں کی کلبلاہٹ اپنے دماغ میں محسوس ہوتی ہے، لہٰذا میں کہنا چاہتا ہوں اور کہنے کی اجازت طلب کرتا ہوں کہ حکیم صاحب اپنے تمام جلوے سمیٹ کر بیت الحکمۃ کی جس دلگداز صورت میں سامنے آتے ہیں، اسے دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ شخصِ واحد نے اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور وسیع رابطوں کے بل پر وہ کام کر دکھایا ہے (اگرچہ ابھی مرحلۂ ابتدا ہے) جسے آج تک کوئی حکومت و وزارت نہ کر سکی اور جسے بڑے بڑے دانشور اور معاشرے کے مُصلح اور رہنما کبھی سوچ بھی نہ سکے۔

ہم پاکستانی مسلمانوں کی بداعمالیوں اور دولت پرستی اور جاہ طلبی اور حرام خوری کا وبال اس شکل میں ظاہر ہوا ہے کہ یہاں بڑے بڑے تعلیمی ادارے یا انسان ساز مراکز ہمارے نہیں ہیں۔ بلکہ ہم کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لینے کے لیے شاطرانِ زمانہ نے نہایت پُرکشش شکل میں مہیا کر رکھے ہیں۔ دُنیا کی بڑی قوتوں کی ایک ہمہ گیر سازش یہ ہے کہ قوم محمدؐ سے اس کے عقاید، اس کے اخلاقی اُصول و اقدار اور اس کے تہذیبی شعائر اور اس کے قوانینِ خیر و شر کو چھین کر ایک ایسی گداگروں کی بھیڑ میں بدل دیا جائے جو دربدر اپنے ایمان وضمیر کی قاشیں بیچ کر روپے، ڈالر اور پاؤنڈ کی بھیک مانگنے کے لیے اپنے کاسے پھیلاتی پھرے۔ اس کے جوان ہر فتنۂ دوراں اور ہر فسادِ اخلاق کے رتھوں کو کھینچنے کے لیے گدھے اور خچر بن سکیں اور بے چون و چرا

چابک بھی کھا سکیں۔

اس ہمہ گیر سازش کے خلاف عالم اسلام جو اکا دکا کام کر سکا ہے، ان میں منصوبے کے مطابق ہمدرد یونیورسٹی اور اس کے بیت الحکمۃ کا وجود مجھے بڑا سرمایۂ امید محسوس ہوتا ہے۔

بیت الحکمۃ ہمدرد یونیورسٹی، پاکستان میں وہ پہلا ادارہ سر اٹھا رہا ہے جو ہماری نئی نسلوں کو دشمن قوتوں کے لیے سواری کا کام دینے سے انکار کر دے۔ یہ پہلا ادارہ ہو گا جہاں سے مادہ پرستانہ طاغوتی تہذیب کے انسانیت کش مظاہر کے خلاف علمی بغاوت کا آغاز ہو گا۔

یہ سب کچھ جب میرے ذہن میں ہل چل مچاتا ہے تو اس وقت میں کہتا ہوں کہ حکیم محمد سعید صاحب ہمارے معاشرے کے ایک عظیم انسان ہیں جن کے قد و قامت کو نہ کوئی وزیر اعظم پہنچ سکے گا، نہ کوئی سرمایہ دار و جاگیردار۔

اگرچہ ہمارے سامنے صرف ہمدرد یونیورسٹی کی لائبریری کا نہایت ہی جامع، بے مثال اور امید افزا مراسلہ ہے جو پیش کیا جا رہا ہے، مگر میں یہ بات یہاں ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ مجموعی طور پر محمد بن قاسمؒ کے مقامِ ورود پر جو عظیم ادارہ، — سکول، کالج، لائبریری، ہال، کھیل کے لیے اسٹیڈیم وغیرہ — ایستادہ ہو رہا ہے اس کا مقصد اصلی یہ ہے کہ ہمارے خستہ حال اور زوال پذیر اور باہم آویزہ معاشرے کو موجودہ دلدل سے نکالنے کے لیے ایسے انسان تیار کیے جائیں جو ایمان، علم اور اخلاق سے آراستہ ہوں اور جرأت و عزیمت سے اپنے آپ کو قال و حال کی زبان سے مسلم کہہ سکیں۔ ورنہ جو درس گاہیں محض معلومات طالب علموں کی جھولی میں ڈال کر ان کو رخصت کر دیں یا زیادہ کرم کریں تو اغیار کے خلافِ اسلام اور خلافِ انسانیت نظریات کی مالائیں ان کے گلے میں ڈال کر ذہنی غلامی کے تاج ان کے سروں پر رکھ دیں، ان پر تو ان تمام مفاسد کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے جو ہمارے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر آپ کا یہ نیا عظیم ادارہ نظریۂ اسلامی و الے

پاکستان کے لیے اعلیٰ درجے کے انسان تیار کر کے نہیں دیتا تو پھر پتھروں اور اینٹوں کے یہ انبار، سیمنٹ اور سریے کے یہ ڈھیر جو عظیم الشان عمارتوں میں ڈھل رہے ہیں، اُن سے کیا حاصل؟ کیا یہاں ہمیشہ پڑھے لکھے جاہل اور تقلید کیش اور دولت کے پیچھے بھاگنے والے انسان ہی پیدا کیے جاتے رہیں گے۔

آوازۂ اخلاق والے حکیم محمد سعید صاحب، اور سیرتِ پاک سے محبت کرنے والے حکیم محمد سعید صاحب یقیناً وہ نئے انسان پیدا کرنے چاہیں گے، جو اپنے ایمان، اپنے علم اور اپنے اخلاق کے زور سے اس معاشرے کے فتنوں کا زور توڑیں گے ——— اور پھر ساری دنیا کے انسانیت کے لیے خدمتِ انسانیت (HUMANISM) کا نہیں، بلکہ (HUMANEISM) کا لائحہ عمل لے کے اُٹھیں۔

اس اعلیٰ اور پاکیزہ کام میں صرف ایک ہی مشکل ہے۔ بااُصول اور بامقصد انسان پیدا کرنے والے ایک بڑے ادارے کے لیے آپ اعلیٰ درجے کے کارکنوں (TEACHERS) کی ٹیم کہاں سے اور کیسے حاصل کریں گے۔ حکیم صاحب کو اس بنیاد میں ایک کڑا معیار مقرر کرنا ہوگا۔ دوسرے اس کام میں سفارشات کا راستہ بند کرنا ہوگا۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ کسی اُستاد یا محقق یا لائبریرین کو مقرر کرتے ہوئے آپ کو صرف یہی جانچ نہیں کرنی ہوگی کہ اس کی تعلیمی اور تجرباتی کوالیفکیشن کیا ہے، بلکہ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ پچھلے دورِ کار میں اس کا کردار کیا رہا ہے۔ اسلام کے متعلق اس کا نقطۂ نظر اور اس کی خدمات کیا ہیں؟ پاکستان کے بارے میں اس کا ریکارڈ کیا ہے؟ ایمان و اخلاق کے لحاظ سے آیا وہ راستی اور دیانت کے ساتھ ادائے فرض کرنے اور حقیقی محنت کرنے کے قابل ہے۔ ان آخری باتوں کی زیادہ سے زیادہ تحقیق اور چھان بین اپنے دوستوں، رجالِ خاص اور متعلقہ اداروں (بلکہ ہو سکے تو کسی شخص کے خاندان کے دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی کھوج لگائی جائے کہ کون کیا ہے یا کیا کرتا رہا) سے پوچھا جائے۔

اِن گزارشات کے ساتھ بہ صد مسرت، بلکہ ہدیۂ تبریک حکیم صاحب کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اس تحریر کو شائع کیا جا رہا ہے جو بیت الحکمۃ (لائبریری، ہمدرد یونیورسٹی) کے متعلق ہمیں موصول ہوئی ہے۔ خدا سے دُعا ہے کہ جس طرح محمد بن قاسم کی آمد سے کفرزادِ ہند کے لیے باب الاسلام کھلا تھا، اسی طرح باب الاسلام کے مقام پر قائم ہونے والے ادارے سے وہی نور اور وہی روشنی آج پھر پھیلے۔ آمین!

خصوصی تبصرہ

اُردو نثر میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تصنیف: پروفیسر ڈاکٹر انور محمود خالد۔ تبصرہ: حکیم شریف احسن۔

"اُردو نثر میں سیرتِ رسول ؐ" اصلاً وہ تحقیقی مقالہ ہے جو پروفیسر انور محمود خالد نے پی ایچ ڈی کے لیے لکھا اور اب نظر ثانی کے بعد کتابی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

برصغیر میں سیرت نگاری کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ دوسری صدی کے عظیم سیرت نگار ابو معشر سندھی کا تعلق خطۂ ارضی کے اسی علاقہ سے تھا۔ اُس کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ابن سعد جیسا سیرت نگار اس کے خوشہ چینوں میں سے ہے اور موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحٰق کے ساتھ وہ اکثر اس کا حوالہ دیتا ہے۔ ابو معشر کا انتقال بغداد میں ہوا تو خلیفہ ہارون رشید نے اس کے جلوس جنازہ میں شرکت کی اور نماز جنازہ پڑھائی۔ اُس کے بعد بھی یہاں عربی اور فارسی میں سیرت کی کتابیں لکھی جاتی رہیں، تاہم برصغیر میں سیرت پر بیشتر کام اُردو میں ہوا ہے۔ اور محفل السنہ میں نووارد ہونے کے باوجود اس میدان میں یہ زبان اپنی کئی بڑی بہنوں سے بھی آگے نکل گئی ہے۔ گذشتہ دو ڈھائی سو برس میں اس میں سیرت پر اس کثرت سے کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ ان میں سے بعض اتنی معیاری ہیں کہ ان کے ہم پلہ دنیا کی کسی زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں۔ ڈاکٹر خالد کی کتاب اُردو لٹریچر کی اسی عظیم شاخ کی تاریخ اور اس کے علمی اور فنی جائزے پر مشتمل ہے۔

خالد صاحب نے اُردو سیرت نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے — پہلا دور ابتدا تا ۱۸۵۷ء روایتی سیرت نگاری کا دور ہے — دوسرا دور ۱۸۵۸ء تا ۱۹۰۰ء یہ دور قدیم اور جدید سیرت نگاری کا سنگم ہے۔ اس میں جدید سیرت نگاری کا آغاز ہوا۔

اس کا سنگِ بنیاد سرسید احمد خاں نے رکھا اور ان کی کتاب خطباتِ احمدیہ نے جدید سیرت نگاری کا رُخ متعین کیا اور اس کے خطوط واضح کیے ۔ تیسرا دور ۱۹۰۱ء تا ۱۹۴۷ء یہ عظیم سیرت نگاروں کا دور ہے ۔ اور بالفاظ ڈاکٹر خالد سیرت نگاری کا عہدِ زریں ہے ۔ علامہ شبلیؒ ، قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور سید سلیمان ندوی کا تعلق اسی دور سے ہے ۔ چوتھا دور ۱۹۴۸ء تا ۱۹۸۱ء ، اس کی خصوصیت کتبِ سیرت کا تنوع اور تعداد کی کثرت ہے ۔ ان چاروں ادوار کی سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد مصنف نے ان کی تمام اہم کتابوں پر ناقدانہ تبصرے کیے ہیں ۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں جو چیز سب سے پہلے قاری کو متاثر کرتی ہے وہ مصنف کے مطالعہ کی حیران کن وسعت ہے ۔ کتاب کی سرسری ورق گردانی ہی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ اُردو میں سیرت پر شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جو ان کی نظر سے نہ گذری ہو ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موضوع سے متعلق سطر سطر ان کے سامنے ہے ۔ جن کتب وجرائد کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے اشاریہ میں ان کی فہرست چالیس صفحات پر مشتمل ہے ۔ پھر ان کی نگاہ اُردو تک محدود نہیں ، مشرق و مغرب سے انہوں نے اس طرح استفادہ کیا ہے کہ مرج البحرین کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے ۔

کتاب کی ایک اور نمایاں خصوصیت اس کے مضامین کی وسعت ہے جس کا اندازہ کتاب کے نام یا ابواب کے عنوانات سے نہیں ہوسکتا ۔ مصنف نے اُردو نثر میں سیرت پر کچھ لکھنے سے پہلے تیرہ صدیوں کے سیرتی سرمایہ کا جائزہ پیش کیا ہے اور سیرت اور اس سے متعلقہ علوم ، تفسیر ، حدیث ، تاریخ ، اسماء الرجال وغیرہ کا تعارف اور ان کی بیشتر اہم کتابوں پر ناقدانہ تبصرہ سپردِ قلم کیا ہے ۔ اس پس منظر کے ساتھ جب عربی ، فارسی ، اُردو سیرت نگاری کا مطالعہ کرتا ہے تو اُسے وہ کچھ حاصل ہوجاتا ہے جس سے وہ بصورتِ دیگر محروم رہ جاتا ۔ اس کے علاوہ انہوں نے مغربی سیرت نگاروں کے مبلغ علم اور ان کے اندازِ سیرت نگاری پر بحث کی ہے اور ایک مستقل فصل میں بارھویں صدی کے ہلدی برٹ سے لے کر انیسویں صدی کے کارلائل تک مغربی سیرت نگاری کی پوری تاریخ سمو دی ہے ۔

وسعت کے ساتھ عمق بہت کم جمع ہوتا ہے لیکن اس کتاب میں یہ وصف موجود ہے۔ اس کا کچھ اندازہ اس وقتِ نظر سے ہوتا ہے جس کا مظاہرہ مصنّف نے بیسیوں کتابوں کے بے لاگ جائزوں اور تبصروں میں کیا ہے۔ انھیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ تبصرہ نگار کتابوں کو چھو کر ہی نہیں رہ گئے۔ ان کے اندر اتر کر ان کی گہرائی اور پہنائی کا جائزہ لیا ہے۔ اس کے علاوہ مصنّف نے ان اسباب و علل کا کھوج لگانے کی کوشش بھی کی ہے جو سیرت نگاری کے اسالیب اور سیرت کے مختلف پہلوؤں کے انتخاب کے پسِ پردہ کارفرما رہے ہیں۔ مواد کی تلاش و جستجو اور جمع و ترتیب میں بھی انھوں نے بڑی محنت سے کام لیا ہے۔ اور علم کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن ہو کر موتیوں کا جو انبار انھوں نے جمع کیا، اُسے یونہی ڈھیر کی صورت میں قاری کے سامنے نہیں رکھ دیا ہے، اُسے جانچا ہے، پرکھا ہے، اُس کی قدر و قیمت کا تعین کیا ہے، فنِ مرصع کاری کی سان پر چڑھایا ہے، اس کے بعد اس سے وہ سلکِ مروارید تیار کی ہے — "جو اُردو نثر میں سیرتِ رسولؐ" کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اپنے پیشروؤں سے بھی انھوں نے اکتسابِ فیض کیا ہے، لیکن کھلی آنکھوں اور بیدار مغز کے ساتھ، جہاں ضروری سمجھا ہے سیّد سلیمان ندوی، شیخ محمد اکرام، ڈبلیو منٹگمری واٹ جیسے ذی علم حضرات کی آراء سے بھی اختلاف میں تامل نہیں کیا ہے۔ اسی طرح مولانا حالی، ڈاکٹر سیّد عبداللہ اور ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں کے بعض سہووں کی نشان دہی بھی انھوں نے کی ہے۔

سہو انسانی خاصہ ہے، اس کے ثبوت اس کتاب میں بھی موجود ہیں، مثلاً صفحہ ۵۲۰ پر تیسیر الوصول کے مصنّف کا نام ابن کثیر لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ یہ کتاب ابن الدیبعؒ ایشیانی (م ۹۴۴ھ) کی تصنیف ہے۔ ص ۵۱۴ پر سیوطی کی ایک کتاب کا نام جامع الجوامع مرقوم ہے، صحیح جمع الجوامع ہے۔ جامع الجوامع نام کی کتابیں ہیں لیکن سیوطی ان کے مصنّف نہیں۔ ص ۵۷۲ پر تحریر ہے: "شرح مسلم (نووی و بحر العلوم)" بحر العلوم ملا عبد العلی لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ یا ۱۲۳۵ھ) کا لقب ہے جو انھیں نواب محمد علی رئیس کرناٹک نے دیا تھا۔ ان کی صحیح مسلم کی کوئی شرح نہیں، البتہ اصول فقہ کی

ایک کتاب مُسلم الثبوت کی شرح انہوں نے لکھی ہے جس کا نام فواتح الرحموت ہے۔
ص ۹۷ ۵ پر آذری بمعنی بُت گری استعمال ہوا ہے، جو درست نہیں۔ آذر اور آزر کی املا میں اکثر حضرات کو التباس ہوتا ہے۔ آذر بمعنی آگ ہے اور آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بُت تراش اور بُت گر والد کا نام ہے۔ پہلے کی مثال غالب کا درج ذیل شعر ہے۔

ہے تنگ سینہ دل اگر آتش کدہ نہ ہو
ہے عارِ دل نفس اگر آذر فشاں نہیں

اور دوسرے کی مثال اقبال کا یہ شعر:

بُت شکن اُٹھ گئے باقی جو رہے بُت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں

عظیم سے عظیم تحقیقی کاوش میں بھی اختلاف کی گنجائش کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہے یہ کتاب بھی اس سے خالی نہیں۔ مثلاً سید سلیمان ندوی نے سرسید کو کہیں نیم عالم لکھا ہے۔ ڈاکٹر خالد کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ (ص ۳۸۰)۔ معلوم ہوتا ہے بنائے اختلاف لفظ "عالم" کا مفہوم ہے۔ سید صاحب کے نزدیک اس کی حدود کچھ اور رہیں اور خالد صاحب کی نظر میں کچھ اور۔ سرسید کی علمی حیثیت کا اگر تعین کرنا ہی ہو تو اس کے لیے کہیں اور رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا بہترین پیمانہ اُن کی تفسیر قرآن ہے جس میں خدا و جبریل و مصطفیٰ کو حیرت میں ڈالنے والی تاویلات کے انبار لگے ہوئے ہیں۔

کتاب میں ایک اور چیز، جس سے راقم کی طرح اور حضرات کو بھی اختلاف ہو سکتا ہے کتب سیرت کی فرقہ وارانہ صف بندی ہے (ص ٦٦١ و بعد)۔ اس میں سب سے پہلے "اہلِ حدیث سیرت نگار" کا عنوان ہے اور اس کے تحت سرفہرست رحمۃ للعالمین (قاضی محمد سلیمان منصور پوری) اور خطبات مدراس (سید سلیمان ندوی) کے نام ہیں

سید صاحب کو اہلِ حدیث کہنا تو واقعہ کے لحاظ سے بھی غلط ہے۔ اس کی تغلیط خود ان کی اس تحریر سے ہو جاتی ہے جو "رجوع اور اعتراف" کے عنوان سے معارف جنوری ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔ وہ کسی خاص "خانے" کے آدمی نہ تھے۔ ان کا مسلک تحقیق تھا۔ اور بقول شاہ معین الدین احمد ندوی (جو ان کے شاگرد بھی تھے اور جانشین بھی اور جنہیں ۲۲ سال (۱۹۲۴ء - ۱۹۴۶ء) تک ان کی صحبت کا شرف حاصل رہا) "سید صاحب عملاً ہمیشہ حنفی رہے۔ آمین بالجہر اور رفع یدین اور اس قسم کے اہل حدیث کے امتیازی نشانات پر کبھی عمل نہیں کیا۔ فقہیات میں عموماً ان کا عمل فقہ حنفی پر تھا لیکن مقلد جامد نہ تھے" (شاہ معین الدین احمد۔ حیات سلیمان ص ۶۷۶ طبع اول (پاکستانی) ۱۹۸۶ء)۔ قاضی صاحب مسلکاً اہلِ حدیث تھے لیکن یہ ان کی شناخت نہ تھی۔ ان کے نزدیک وہ سب علمائے کرام اہلحدیث ہیں "جو مسائل شرعیہ میں سنت نبوی کو حجت سمجھتے ہیں اور حدیث رسول سے استشہاد کرتے ہیں" (خطبات سلیمانی۔ قاضی محمد سلیمان ص ۲۵۶۔ سانگلہ ہل) ایسے حضرات کی ان کتب سیرت کو فرقوں کے خانوں میں دھکیلنا، جن میں فرقہ واریت کا شائبہ تک نہیں، عالمانہ زبردستی ہے۔ تاہم شبلی اس قسم کی زد سے بچ نکلے۔ حالانکہ تمام عمر وہ نعمانی بھی رہے اور سیرت النعمان بھی انہوں نے لکھی۔ شبلی کی طرح ان تمام سیرت نگاروں کو بھی ان خانوں سے باہر رکھنا چاہیے تھا جن کا ذہن اور قلم فرقہ واری کا اسیر نہیں ہے۔ یہ انصاف نہیں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقیت کو فرقہ وارانہ سطح پر کھینچ لانے والوں کو ان حضرات کے پہلو بہ پہلو جگہ دی جائے جنہوں نے سیرت کو اسلام کے عالمگیر پیغام کے مظہر اتم کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ محض اس لیے کہ وہ نماز میں رفع یدین کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں؟ ایک اعلیٰ پایہ کی تحقیقی کتاب کے رُوئے زیبا پر موجودہ صورت میں یہ بحث ایک داغ ہے، جو آئندہ اشاعت میں اگر دُھل جائے تو اچھا ہے۔

بحیثیت مجموعی زیرِ تبصرہ کتاب تحقیق کا ایک اچھا نمونہ ہے اردو ادب میں گراں بہا اضافہ ہے۔ اس پایہ کی کتابیں کسی بھی زبان کے لیے سرمایۂ افتخار ہوتی ہیں۔ اور جریدۂ عالم پر مصنف کا نام ثبت کرانے کا باعث بنتی ہیں۔ سیرت نگاری کی اس قدر جامع، محققانہ اور مستند تاریخ لکھ کر مصنف نے ایک عظیم علمی، ادبی اور دینی خدمت انجام دی ہے۔

اُمید ہے ان تمام حلقوں میں کتاب کو وسیع پذیرائی حاصل ہوگی۔ یہ بھی توقع ہے کہ اس کا مطالعہ عام تعلیم یافتہ آدمی کے لیے مطالعہ سیرت کی تشویق کا باعث بنے گا۔

اقبال اکیڈمی لاہور نے کتاب کو بڑے اہتمام سے خوبصورت ٹائپ میں چھاپا ہے۔ ضخامت مع اشاریہ ۴۵۲ صفحات۔ مجلد مع دیدہ زیب گردپوش ۱۷۵/- روپے۔

(بقیہ شرلی قوتوں کی کامیابی کا طریقہ کار)

۵۔ شکست خوردگی سے ترکی قوم کا ذہن ماؤف ہوچکا تھا۔ انحراف پذیر تھا۔ ان غیر معمولی حالات کو مصطفےٰ کمال نے کمال چابک دستی سے استعمال کیا اور پوری قوم کو اولاً خلافت کا مخالف اور پھر بعد میں اسلام کا بھی مخالف بنا دیا۔

جس قوم نے چار صدیوں تک اسلام کا جھنڈا یورپ کی سرزمین میں بلند رکھا اور ہر قسم کی قربانیاں دیں، اس کو اسلام سے پوری طرح بیگانہ بنا دیا گیا۔ اسلامی احکام و شعائر پر اس طرح پابندیاں لگادی گئیں گویا ترکی کوئی مخالفِ اسلام ریاست ہو۔ بعد میں اس شدت میں کچھ کمی آئی مگر آج بھی ترکیہ ایک کٹر لادین ریاست ہے۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں، ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں۔ (ادارہ)

مطبوعات

تزکیۂ نفس مؤلف: مولانا امین احسن اصلاحی۔ ناشر: ملک سنز پبلشرز کارخانہ بازار فیصل آباد۔
ملنے کے کئی پتوں میں سے ایک: ادارہ ترجمان القرآن۔ رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

مولانا امین احسن اصلاحی دینی علوم کی مختلف اصناف پر نہایت عمیق اور گہری نظر رکھتے ہیں۔ نقد و نظر کا وافر عطیہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے۔ احادیث کے اخذ و ردّ کے بارے میں مولانا کا اپنا ایک خاص نظریہ ہے جس سے بہت سے علماء نے اختلاف کیا ہے۔ اہلِ علم کے مابین حقیقی اختلاف کوئی بُری چیز نہیں ہے۔ تمام اہلِ ایمان کی یہ خواہش ہونی چاہیے کہ نفس کی اصلاح اور تربیت اُن خطوط پر ہو جو خطوط ہمارے لیے قرآن و سنّت میں دیئے گئے ہیں مختلف ادوار میں مختلف علماء نے ان خطوط کی نشاندہی کرنے کی سعی کی ہے۔

اسی طرح کی ایک سعی اور کوشش مولانا امین احسن اصلاحی صاحب، صاحب تدبّرِ قرآن نے کی ہے۔ اس مجموعہ میں تزکیۂ علم اور تزکیۂ عمل سے بحث کی گئی ہے۔ تزکیۂ معاملات و تعلقات کے مباحث ہنوز باقی ہیں۔ خدا کرے کہ وہ ان کے قلم سے پورے ہو جائیں۔

چاہیے کہ اصحابِ علم و طالبانِ دین اس کو بغور مطالعہ کریں۔

بس ایک مسئلہ قابلِ غور ہے۔ کیا تعلیمِ دین، اصلاحِ اخلاق، تزکیۂ نفس کے لیے بس ایک کتاب لکھ کر میدان میں ڈال دینا کافی ہے یا کتاب کے پیچھے (یا ساتھ) کوئی استاد، کوئی رہبر، کوئی مزکّی عملی نمونہ کے طور پر ایسا موجود ہو جو لوگوں کو سمیٹے اور ان پر محنت کرے۔ ورنہ یہاں بے شمار مفسّر، محدّث، خطیب اور ماہرینِ فنِ تزکیہ موجود ہیں جن کی کتابوں کی بھرمار ہے، مگر کتابوں کے پیچھے نمونہ بننے والا معلّم و مزکّی نایاب ہے۔

اُمید ہے کہ کتاب کے آئندہ حصوں میں اس مسئلے کا حل بھی آجائے گا۔
صفحہ ۳۰، ۱۰۵، ۱۴۶ اور ۱۴۷ پر طباعت کی اغلاط ہیں۔ (ع-و)

مجلہ علم و ادب، لاہور نگرانِ اعلیٰ: سیّد اسعد گیلانی۔ مجلسِ ادارت: پروفیسر آسی ضیائی۔ سیّد نظر زیدی۔ رنگین سرورق۔ صفحات: ۳۲۲۔ سائز ۳۰×۲۰

اِس مجلّے میں ادارۂ علم و ادب پاکستان کے کل پاکستان کنونشن، منعقدہ ۲۳ تا ۲۴ مارچ ۱۹۸۹ء کی رُوداد ہے۔ پڑھے جانے والے منتخب مضامین نظم و نثر شائع کئے گئے ہیں۔

ادارۂ علم و ادب دو بڑے مقصد پیش نظر رکھ کر قائم کیا گیا ہے — پہلا لادینی افکار اور فحش رجحانات سے پاک ادب کی تخلیق اور دوسرا تعمیرِ وطن، مجلے کے بیشتر مضامین یہی مقاصد لیے ہوئے ہیں اور بہت خوب ہیں۔ صاف ستھرا ادب پیش کرنے کی یہ ایک عمدہ کوشش ہے۔ ہم سفارش کرتے ہیں کہ احباب نہ صرف یہ مجلہ خریدیں، بلکہ ادارۂ علم و ادب سے وابستہ ہوں۔ (ن-ز)

آسان اُصولِ فقہ مصنّف: مولانا محمد محی الدین۔ صفحات: ۸۸۔ قیمت: ۱۰/۵۰ روپے
ملنے کا پتہ: قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی ۱

فقہ حنفی کے اُصولِ فقہ پر مبنی یہ ایک ایسی ابتدائی کتاب ہے جسے نصاب اور تدریسی نقطۂ نظر سے اُردو زبان میں مرتب کیا گیا ہے۔ ہمارے مدارسِ دینیہ میں "اصول الشاشی" کے نام سے اُصولِ فقہ پہ جو کتاب، داخل نصاب ہے، اس کی تدریس سے پہلے اگر یہ کتاب "آسان اُصولِ فقہ" پڑھائی جائے تو بہت مفید رہے گی۔ آسان انداز سے تمام مباحث کو سمیٹ لیا گیا ہے۔ مثلاً ادلۂ شرعیہ (قرآن، سنّت، اجماع، قیاس)، سے استنباطِ مسائل کے مختلف پہلوؤں پہ سیر حاصل بحث موجود ہے۔ (م-ر)

معارف القرآن | مؤلفین : پروفیسر شیخ سعید اختر و پرو۔ رانا احسان الرحمٰن ۔

ناشر : مکتبہ کاروان کچہری روڈ ، لاہور ۔ ضخامت : ۳۹۲ صفحات ۔ قیمت درج نہیں ۔

زیرِ تبصرہ تالیف معارف القرآن ، علم سے ذوق اور آگہی کا اشتیاق رکھنے والے طلباء کے لیے سامانِ بصیرت ہے ۔

پروفیسر موصوف غالباً بیس بائیس سال سے شعبۂ تعلیم سے منسلک ہیں ۔ اپنی اس وابستگی کو انہوں نے تفہیم قرآن و حدیث کے لیے نہایت عمدہ اور عام فہم اسلوب اختیار کیا ہے ۔ قرآن حمید کے صحیح شعور کے ساتھ اعتدال و توازن کی راہ بھی دکھا دی ہے ۔

اُمید ہے کہ موصوف کی یہ تالیف مقبولِ خاص و عام ہو گی اور طلباء کے لیے دلیلِ راہ بھی بنے گی ۔

اپنی جملہ خصوصیتوں اور امتیازات کے باوجود کتاب میں کتابت کی بہت غلطیاں موجود ہیں ۔ مثلاً ص ۲۰۳ ، ص ۲۱۰ ؛ ص ۲۱۶ ، ص ۲۲۳ ؛ ص ۲۳۹ ، ص ۲۵۰ ، ص ۲۶۳ اور ص ۲۷۱ پر الفاظ یا اعراب کی صریح غلطیاں ہیں ۔

کتاب کی افادیت امتحانی لحاظ سے بھی اور فہم کے لحاظ سے بھی اپنی جگہ برقرار ہے ۔ آئندہ اغلاط کو درست کر دیا جائے ۔ (ع ۔ د)

جدید فقہی مسائل (حصہ اوّل) | مؤلف : مولانا سیف اللہ رحمانی (حیدر آباد دکن)

صفحات : ۳۱۶ ۔ ناشر اور ملنے کا پتہ ۔ حزا پبلی کیشنز ، اُردو بازار ، لاہور ۔

قیمت : ۴۸/- روپے ۔

زیرِ نظر کتاب دورِ جدید کے تقریباً ڈھائی سو فقہی مسائل پر مشتمل ہے ، جسے مؤلف نے مختلف فتاویٰ اور ماخذ و مراجع کی مدد سے مرتب کیا ہے ۔ اور اس میں بالعموم متفقہ شرعی ہیں ۔ تجدد کا شائبہ نہیں ہے ۔ مؤلف نے بعض مقامات پر اپنی رائے کا اضافہ بھی کیا ہے جو اُن کے تفقہ فی الدین پر دلالت کرتا ہے ۔ آج نت نئے مسائل فقہیہ کے حل کے لیے علماء دین کا کوئی ایک مرکزی ادارہ یا بورڈ موجود نہیں ہے ۔ تاہم اس دورِ زوال

ہیں انفرادی کوششیں بھی قابلِ قدر ہیں اور اس کام کو یکجا کر کے افادہ عام کے لیے پیش کرنا بھی قابلِ تحسین اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔

اس کتاب میں دَورِ حاضر میں پیدا شدہ اکثر فقہی مسائل شامل ہیں (جو رہ گئے ہیں، اُن کے لیے مؤلف نے اس کتاب کا حصہ دوم مرتب کرنے کا کام شروع کر رکھا ہے) یہ کتاب جدید تعلیم یافتہ حضرات و خواتین کے لیے بالخصوص اور عامۃ المسلمین کے لیے بالعموم مفید ہے۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مفتی دیوبند مولانا محمد ظفیر الدین صاحب نے بھی اس کتاب کی تحسین فرمائی ہے۔ (م - ر)

کہنا بڑوں کا مانو | مصنف: سید نظر زیدی: ناشر: الہدیٰ اکیڈمی ڈی ۱۲/۱۱ سائٹ کراچی ۱۶

صفحات: ۶۰ قیمت: ۴/ روپے۔

ہمارے فاضل دوست جناب سید نظر زیدی جو علمی و ادبی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ اب تک بچوں کے لیے نظم و نثر میں بیسیوں کتابیں لکھ چکے ہیں اور اس اعتبار سے وہ بنیادی طور پر بچوں کے ادیب ہی قرار پاتے ہیں۔

یہ کتاب بھی زیدی صاحب کی باقی کتابوں کی طرح اپنے اندر سلاست و روانی بھی رکھتی ہے اور اس میں بچوں کی ذہنی سطح اور ان کے طبعی ذوق کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور ان دونوں چیزوں کے ساتھ ان ساری ہدایات کا توام تیار کیا گیا ہے جو اسلام نے دی ہیں — مثلاً والدین کے احترام اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی تلقین۔ افسوس کہ کتابت کی کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں۔ جن کا ازالہ آئندہ ایڈیشن میں لازم ہے۔ مگر اب بھی اغلاط نامہ لگایا جا سکتا ہے۔ (ا - د - ترابی)

قرآن اور عورت | از جناب پروفیسر محمد دین قاسمی بی - ایس - سی (آنرز) انگریز لیکچرر ایم اے علوم اسلامیہ۔ ناشر: ادارۂ مطبوعاتِ تکبیر ناگو سنٹر، کیمبل سٹریٹ کراچی۔

ضخامت: ۴۵۹ صفحات، سفید کاغذ، صاف ستھری کتابت، عمدہ طباعت، رنگین

جاذبِ نظر اور دبیز سر ورق۔ قیمت: ۷۰/- روپے (نہایت مناسب، غیر مجلد۔

ادارہ تکبیر اور پروفیسر قاسمی صاحب مسلمانانِ پاک و ہند کے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں کہ ان کی مشترکہ کوشش سے ہمیں تحقیقی اور سائنسی انداز کی ایک بہترین نگارش پڑھنے کو ملی۔

"قرآن اور عورت"، مستقل تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ "تحفۃ القرآن" مصنفہ مولانا عمر احمد عثمانی کی جلد سوم کا تنقیدی جائزہ ہے۔ لیکن فاضل تنقید نگار نے اس تحریر کو کسی مستقل تصنیف سے کہیں زیادہ اہم بنا دیا ہے۔

کتاب میں جن امور کا جائزہ لیا گیا ہے، ان کا تعلق صنفِ نازک کے انتہائی حساس اور نازک مسائل سے ہے، جن پر فکر و نظر کے اختلاف نے مسلمانوں کو مشرق و مغرب کے دو متضاد محاذوں پر ایک دوسرے کے خلاف لا کھڑا کیا ہے۔ کتاب متعدد خوبیوں سے آراستہ اور بہترین تنقیدی نگارش ہے۔ اندازِ تحریر سلجھا ہوا، متین اور منطقی ہے نہ کسی پر پھبتی کسی گئی ہے نہ نبرد آزمائی میں چھچھورے داؤ پیچ سے کام لیا گیا ہے، نہ نوکِ قلم سے کوئی کم معیار لفظ سرزد ہوا ہے۔ تبصرہ نگار پر اگر ترجمان القرآن کی تنگ دامانی کا خوف طاری نہ ہوتا تو یہ نگارش اپنی صوری اور معنوی خوبیوں کی بنا پر مستحق تھی کہ اس کا تفصیلی تبصرہ کیا جاتا۔ اور اس کے اندازِ تحریر و استدلال و دیگر خصوصیات سے قارئین کو متعارف کرایا جاتا۔

علاوہ ازیں یہ دینی خدمت اس پُرفتن دور کے ایک انتہائی منہ زور، پُرفریب اور بے راہ فکر کے سیلِ عظیم کے آگے جو پوری نئی نسل کو بہالے جانے پر آمادہ ہے۔ ایک مضبوط بند باندھنے کی کامیاب کوشش ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

خواتین اور ماڈرن خواتین اور ماڈرن خواتین کے خواتین نواز مجتہد اسے ضرور پڑھیں

(سید بشیر احمد)

بے اختیار دوڑے ہے گُل در قفائے گُل

(غالب)

ادھر چند دنوں میں بہت سے حوادث سر سے گذر گئے۔

عزیز کمال ہمارے بڑے قیمتی ساتھی تھے، قد اونچا، شکل و شباہت اثر انگیز تبسم نازک جو کبھی کبھار خندہ بن کر کھنک جاتا۔ آتے، ضرور ملتے، بیٹھتے چند باتیں کرتے اور ملاقات کی خوشبو چھوڑ کر چلے جاتے۔ آخری ملاقات ابھی ذہن میں تازہ ہے اور ادھر اچانک ان کی رحلت کا اعلان ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مرحوم کی پیدائش ۲ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو جناب میاں محمد شفیع کے گھر واقع کوریور ضلع سیالکوٹ) میں ہوئی۔ تعلیمی لحاظ سے بی اے بی ٹی کرنے کے بعد آئرفورس میں چلے گئے۔ وہاں انگریزی اور فلاسفی میں دو ایم اے کئے۔ انگلش میں گولڈ میڈل ملا۔ مولانا حامد علی خاں کے رسالہ "الحمرا" میں علامہ اقبال پر ۱۰ مضامین لکھے، جو شاید مجموعے کی شکل میں شائع ہوں۔ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ میں ایک سال پروفیسر رہے۔ پھر "پری کیڈٹ" اسکول (جو بعد میں کالج بنا) لوئر ٹوپا، مری میں ۱۹۸۶ء تک انگلش ڈیپارٹمنٹ کے ہیڈ رہے۔ چوہدری محمد اکبر صاحب مرحوم سے استادی شاگردی کا تعلق رہا تھا۔ اسی سلسلے میں چوہدری صاحب تفہیم کے انگریزی ترجمے میں ان سے مشورہ کرتے تھے۔ آخر جب چوہدری محمد اکبر صاحب کا دورِ عمر ختم ہونے کو آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ تفہیم کے مزید انگریزی ترجمے کا کام عزیز کمال کریں گے، چنانچہ عزیز صاحب نے کسبِ کمال کیا اور ترجمہ مکمل ہو گیا۔ دو ایک اور رسالے بھی انگریزی میں شائع کرائے۔ ۳ بیٹے اور ۳ بیٹیاں اچھے حالات میں ہیں۔ دو دو برسرِ روزگار اور شادی شدہ اور بقیہ تکمیلِ مدارجِ تعلیم

سے گذر رہے ہیں۔

خدا مرحوم کی مغفرت کرے اور ان کے گھر والوں اور بچوں کو اسی فکری اور اخلاقی راہ پر چلائے جس پر عزیز صاحب چلتے رہے۔ اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے۔

دوسرا داغِ فراق ہمیں کرنل محمد رشید عباسی صاحب (آزاد کشمیر) کا برداشت کرنا پڑا۔

۲۴ دسمبر ۱۹۲۱ء کو موضع غازی آباد، ضلع باغ، آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں جہادِ آزادی کا آغاز کرنے والوں میں سے ہیں۔ اس کے بعد باقاعدہ فوج میں شامل ہو گئے۔ کمیشن حاصل کیا۔ ۱۹۶۵ء میں آپریشن جبرالٹر کے سلسلے میں اندرونِ کشمیر (مقبوضہ) بھی گئے اور کئی ماہ تک رہے۔ اس وقت وہ کیپٹن تھے ۱۹۷۱ء میں بہ حیثیت میجر چھمب جوڑیاں محاذ پر زخمی ہو کر گرفتار ہوئے۔ پھر کرنل کے عہدہ پر پہنچ کر ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۷۶ء میں تحریک اسلامی آزاد کشمیر میں شامل ہو گئے۔ جماعت کے نائب امیر اور پھر قیم رہے۔ ۱۹۸۱ء میں امیر جماعت منتخب ہوئے۔ وہ سال کا اکثر حصہ دوروں اور سفروں میں گذارتے تھے، حتیٰ کہ عالم اسلام، مشرقِ وسطیٰ، برطانیہ اور امریکہ کے بھی دورے کئے۔ بڑھاپے میں جوانی کی شان سے مجنونانہ انداز پر کام کیا۔

پھر حالیہ دورِ بحران میں آزاد کشمیر میں آزادی کی قوتوں کو ایک پلیٹ فارم پر منظم کرنے کی بڑی جدوجہد کی اور کشمیر لبریشن الائنس کی تشکیل ہوئی۔

بالکل صحت مند اور چاق چوبند تھے کہ عالمِ بالا سے بلاوا آگیا اور یکایک رخصت ہو گئے۔ خدا ان پر اور ان کے سارے خاندان پر رحمتیں نازل فرمائے۔

ایک اور گہرا گھاؤ ہمیں کرنل اقبال احمد خاں صاحب کی جدائی کا لگا مرحوم رکن مجلس شوریٰ مرکزی و امیر جماعت اسلامی ضلع خوشاب تھے۔ کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔

۲۰ فروری ۱۹۲۵ء کو نوشہرہ ضلع خوشاب میں ایک ایسے معزز علمی، دینی گھرانے میں ولادت پائی اور مہلتِ عمر یا ن ۲۰ نومبر ۱۹۸۹ء تک ملی، جہاں ان کو قاضی فضائل احمد مرحوم استاد عربی کا سایۂ پدری ملا۔ آپ کے دادا اپنے علاقے سون سکیسر کے معروف عالم دین، قاضی و مفتی تھے۔

میٹرک کی تعلیم کے بعد کرنل صاحب نے فوج کی ملازمت کرلی۔ اسی دوران میں داڑھی رکھی اور بڑی مشکلات کا سامنا استقامت سے کیا۔ جماعتِ اسلامی سے تعارف کا ذریعہ ایک مولوی صاحب کا مخالفانہ وعظ تھا۔ مولوی صاحب کے فرمودات کا حوالہ کرنل صاحب نے طلب کیا تو جواب گول۔ پھر اپنی کھٹک دل میں لیے ہوئے جماعت کے مقامی دفتر میں پہنچے اور وعظ کا ذکر کیا۔ اس پر انہیں رسائل و مسائل کا وہ حصہ دکھایا گیا، جس کا استفادہ بھی فرضی اور شرارۃً لکھا گیا تھا۔ مگر مولانا کے جواب پر وہ الزام نہیں آتا تھا جس کا ذکر وعظ میں کیا گیا تھا۔ تب کرنل صاحب نے جماعت کا پورا لٹریچر خرید کر پڑھا اور متفق بن گئے۔ ملازمت چھوڑنے کے بعد رکنیت اختیار کرلی۔ خوشاب کے علاقے میں دعوتِ حق کو پھیلانے اور ہر کس و ناکس کے مسائل حل کرنے کے لیے جذبۂ خدمتِ خلق کے تحت دوڑ بھاگ کرنے میں ایک نمونہ قائم کردیا۔ آرام و آسائش ترک کرکے جیپ میں بیٹھ کر اکثر دوروں پر رہتے۔ ان کا خاص نقطۂ نظر یہ تھا کہ غلبۂ اسلام کے لیے تمام دینی گروہوں کو اتحاد کرنا چاہیے۔ بہانۂ اجل گردن توڑ بخار بنا۔ راولپنڈی ہسپتال میں پہنچائے گئے مگر

جان بر نہ ہو سکے۔

ایسے افراد کتنی کم تعداد میں ہمارے معاشرے میں پیدا ہوتے ہیں۔ ہائے اس قحط الرجال میں مردانِ علم و عمل کا عالمِ آخرت کو روانہ ہو جانا۔ ع "یہی ہے مگر مرضیٔ حق تعالیٰ"۔ سو صبر سے سرِ تسلیم خم!

ترجمان القرآن کے ارکان ادارہ و دفتر اور ان کے ساتھی اور دیگر متوسلین سب کی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کرنل مرحوم کی خدمات کو قبول کرے، کوتاہیوں کو درگذر فرمائے اور اپنی رحمتِ بے پایاں سے نوازے۔ نیز ان کے پس ماندگان کو بھی صبرِ جمیل کے ساتھ نعمتِ ہدایت، جذبۂ عبادت، ولولۂ خدمت اور سعی اقامتِ دین سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین!

منصورہ کے اندر ہونے والا واقعہ بھی بڑا رنجدہ ہے کہ محترم رانا اللہ داد خاں صاحب جماعتی سرگرمیوں میں بھی محور رہتے ہیں اور جماعت سے باہر بھی ان کی کئی ذمہ داریاں ہیں، عمر کے آخری تہائی حصے میں ان کی اہلیہ محترمہ ان سے جُدا ہو گئیں۔ مجھے اپنے گھر والوں سے جو معلومات مل سکیں وہ یہ ہیں کہ وہ سارے دائرۂ خواتین میں مقبول تھیں اور غریب امیر سب سے مخلصانہ طور پر رابطہ رکھتی تھیں۔ بالعموم ان کی ذات بہت سی جماعتی سرگرمیوں کی غیر رسمی مرکز بنی رہتی۔ ان کے نامۂ اعمال میں بہت بڑا ثواب یہ بھی شامل ہے کہ ان کے تعاون کی وجہ سے رانا صاحب جماعت کی دل کھول کر خدمت کرتے رہے اور ہمیشہ مالی انفاق بھی کیا۔ نیز ان کے گھر پر کئی طرح کی میٹنگز ہوتیں جن کے لیے تواضع کے انتظامات مرحومہ فرماتیں۔ غریب پروری میں بھی وہ لمبے ہاتھ والی تھیں۔ خدا ان کی کوتاہیوں سے درگذر کرتے ہوئے ان کی نیکیوں کو قبول کرے

اور اپنے خزانۂ رحمت سے مزید نیکیاں عطا کرے۔ رانا صاحب اس مرحلے میں جس خاص قسم کی تنہائی سے دوچار ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے اس صابر بندے کو اس سے بخوبی عہدہ برآ کرے اور ان کی اولاد ان کے لیے بھی اور دین کے لیے بھی نیک ثابت ہو۔ آمین۔

مذکورہ واقعات سے بڑھ کر وجہ درد مولانا محمد رفیع کی رحلت ہے جنہوں نے ۷۶ برس کی عمر میں ۳ نومبر کو کراچی میں آخری سانس لی۔ مرحوم عرصہ سے فالج اور عارضۂ قلب میں مبتلا تھے۔
تقسیم ہند سے قبل ٹونک کے اجتماع کے موقع پر جماعت سے وابستہ ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان میں جماعت کے کام کی ذمہ داری مولانا پر ڈالی گئی۔ وہاں وہ ۱۹۵۲ء تک امیر رہے۔ کراچی واپس آنے کے بعد وہاں قیم جماعت کی ذمہ داری سنبھالی۔ ۱۹۵۹ء میں میونسپل کارپوریشن کے رکن بھی منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۲ء میں انہیں مشرقی افریقہ (نیروبی) بھیجا گیا۔ جہاں وہ چار سال تک رہے۔ مرکزی مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کا بار بھی سنبھالا۔
مولانا مرحوم بہت ہنس مکھ بھی تھے اور سنجیدہ و متین بھی۔ اولین نظر ہی سے ان کی وجاہت بڑا اثر ڈالتی۔ اندازِ تکلم خوبصورت تھا۔ اردو بڑی مؤثر۔ کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا جو باعثِ اعزاز ہے۔
قومی اسمبلی کے سابق رکن مظفر ہاشمی مولانا کے فرزند تھے۔
اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے اور اہل و عیال و خاندان کو صبر بھی دے اور ان کے جذبۂ دینی کا وارث بھی بنائے۔ آمین!

جاری کردہ : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

رُوداد اجتماعِ عام

- افتتاحی خطاب
- کلیدی خطاب
- خطاب جلسہ عام
- اختتامی خطاب

قاضی حسین احمد
امیر جماعت اسلامی

اعلامیہ

رپورٹ جماعت اسلامی پاکستان
۸۳ء — ۸۹ء

اجتماعِ عام نمبر ۸۹ء

اشاعت فروری ۹۰ء

دیگر تقاریر :

- دروس قرآن و حدیث
- ایمان اور دعوت وجہاد
- رُحماءُ بینہم
- پاکستان میں جماعت کا کردار
- خواتین کا کردار
- نوجوانوں کا کردار
- ہم کیا معاشی تبدیلیاں لانا چاہتے ہیں؟
- بین الاقوامی مندوبین

ٹائیٹل دیدہ زیب

کتابت کمپیوٹرائزڈ

ضخامت غیر معمولی

قیمت :

مقررین

- مولانا جان محمد عباسی
- پروفیسر غفور احمد
- چودھری رحمت الٰہی
- پروفیسر خورشید احمد
- خرم مراد
- مولانا گوہر رحمٰن
- مولانا فتح محمد
- مولانا عبدالحق
- حافظ محمد ادریس
- لیاقت بلوچ
- سید منور حسن

اِدارہ ترجمانُ القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ - اُردو بازار لاہور
فون : ۳۲۴۴۶۸ — ۶۸۶۳۶ ○ پوسٹ بکس نمبر ۱۴۴۳